

۱۵۷۱ء سے ۱۵۹۶ء تک کے واقعات لکھے ہیں، اور اس زمانہ کے بعد کے واقعات کو دوسرے رسالوں کے لئے اٹھا رکھا ہے، جو عنقریب پریس سے نکلنے والے ہیں، مولوی صاحب موصوف کر اس رسالہ کی اشاعت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہی، اسلئے اس کے کفارہ کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ پبلک کی طرف سے عملی طور پر اس کی قدر دانی کا اظہار کیا جائے، رسالہ کی قیمت ۷ روپے اور الرشاد بک ایجنسی نمبر ۹۱ انگلٹن پرنٹ اور ڈولکھنؤ سے مل سکتا ہے،

حیات گاندھی، خواجہ سید عزیز حسن صاحب نقشبندی نے موجودہ رہنمایان ہند کی سوانح عمریوں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، زیر ریویو کتاب بھی اسی سلسلہ کی ہے، اس میں آنکھوں نے مسٹر گاندھی کے عام حالات، اخلاق، عادات اور ان تمام کارناموں کا تذکرہ کیا ہے جو انھوں نے وطن اور اپنا سے وطن کی فلاح و بہبود کے لئے انجام دیئے ہیں، ابتداء میں مسٹر گاندھی کی تصویر بھی ہے، قیمت ۸ روپے۔

فسانہ سعید، جناب راشد الخیری صاحب دہلوی افسانہ نویسی میں عام شہرت رکھتے ہیں، یہ کتاب انہیں کے قلم سے نکلی ہے، جس میں ایک سوتیلے باپ کے مظالم اور مظلوم بچوں کی دردناک حالت کا موثر الفاظ میں نقشہ کھینچا گیا ہے، قیمت ۱۲ روپے، دونوں کتابوں کے ملنے کا پستہ: حسن اینڈ کو، کوچہ چیلان دہلی۔

التحقیق، مولوی احسان اللہ صاحب عباسی وکیل گورکھپور اپنی تصانیف اور قانون دانی میں مشہور ہیں، یہ اخبار ان کے صاحبزادہ مسٹر وحید عباسی نے جاری کیا ہے، اس کے ایڈیٹر مسٹر محمد فاروق ایم، ایس سی اور سید کامل حسین ایم، اے ہیں، جن میں اول الذکر سہارن پور کے سب ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور موخر الذکر نے مسلم گزٹ کے اسٹاف میں آنرییری طور پر کام کیا ہے، اخبار عمدہ ہے اور واقعات حاضرہ پر آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے، قیمت سالانہ للہ ر۔

جلد ششم ماہ صفر ۱۳۹۰ مطابق اکتوبر ۲۰۰۷ء عدد چہارم

مضامین

شذرات

۲۴۱-۲۴۲

آیت استخلاف

۲۴۱-۲۵۲

ایک غلطی کا اعتراف

۲۴۴-۲۴۲

مصریوں کی مذہبی حالت

۲۴۵-۲۴۸ مولوی عبدالرزاق ندوی

مسلمانوں کا دور تنزل ختم ہو گیا

۲۸۴-۲۸۶ مولوی محمد سعید صاحب انصاری

روح کی حقیقت

۲۹۲-۲۸۸ پروفیسر فیروز الدین مراد الیم ایس، سی

ہربرٹ اسپنسر

۳۰۱-۲۹۳

الاستہلال

۳۰۵-۳۰۲ مولوی محمد سعید صاحب انصاری

اخبار علیہ

۳۱۵-۳۰۶

ادبیات

۳۱۸-۳۱۶ جگر، احسان، نیر،

مطبوعات جدیدہ

۳۲۰-۳۱۹

جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب "جماعتہاے انسانی" کے اصول فنیہ کا ترجمہ از مولانا محمد یونس فرنگی محلی، قیمت دو روپیہ، "مینجر"

اردو مصنفین کی قدر شناسی میں ممتاز تھا، یہ کتاب اسی کے بعض لکچروں کا مجموعہ ہے، اور پورا نام فرینچ میں حسب ذیل ہے،

la doctrine de l'amour en Tajul-Molook
et Bekawali roman de philosophie
Religieuse tradent de L' Hindostani
یعنی "تاج الملوک و بکا ولی کے افسانہ عشق کے فلسفیانہ و مذہبی نتائج و نکات" کتاب اگر ہندوستان آگئی تو ناظرین معارف کو اس سے ذرا تفصیل کے ساتھ روشناس کرایا جائیگا،

ماہ گذشتہ کا ایک اہم علمی حادثہ جرمنی کے نامور پروفیسر ونٹ کی وفات ہے، پروفیسر موصوف فن نفسیات (سائیکالوجی) میں اس وقت استاد الاساتذہ کا مرتبہ رکھتے تھے، ان کے زمانہ سے پیشتر نفسیات کو عام فلسفہ کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا، ونٹ ہی نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ نفسیات بذات خود ایک مستقل فن ہے، جس کے نتائج کی بنیاد قیاس و استدلال پر نہیں بلکہ تجربات و اختبارات پر ہے، چنانچہ سب سے اول انہیں نے نفسیات کے لئے ایک محل (تجربہ گاہ) قائم کیا جس میں مادی علوم کے محلوں کی طرح سارا کام تجربات کی مدد سے انجام پانے لگا، اور ایک جدید فن نفسیات طبعی (سائیکوفزکس) کی بنیاد لی، اس کے علاوہ فلسفہ اخلاق، منطق وغیرہ پر بھی ان کی گراں پایہ و ضخیم تصانیف ہیں، ابتداء وہ وجود روح کے منکر اور مادیت کے پیرو تھے، لیکن رفتہ رفتہ روح کے قائل اور بالآخر سخت مذہبی آدمی ہو گئے تھے، وفات کے وقت ان کی عمر ۸۰ سال سے متجاوز تھی،

مشہور

خاکسار "ایڈیٹر معارف" آہستہ مہینہ کے سفر یورپ کے بعد م۔ اکتوبر کو ہندوستان واپس آیا، گو اس کا افسوس ہے کہ اس طویل عرصہ میں اپنے ناظرین کی خدمت سے معذور رہا، لیکن بحیثیت مسلمان اور ہندی ہونے کے اگر مجھے ان کی کوئی خدمت بن آئی تو اس اثنا میں مجھے یقین ہے کہ وہ اسکو میرے گناہ کا پورا کفارہ سمجھیں گے، اس موقع پر میں اپنے دوست مولوی عبد الماجد صاحب لی، اے کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی کثیر مصروفیتوں کے باوجود میری عیاضری کے ایام میں معارف کی ترتیب و تدوین کے فرائض کو بحسن اسلوب انجام دیا،

جولائی کے معارف میں جو مضمون قصہ "بکا ولی و مسائل تصوف" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اس کے سلسلہ میں یہ خبر دلچسپی سے سنی جائیگی کہ فرینچ زبان میں ایک ایسی کتاب موجود ہے جس کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون مذکور سے اس کا موضوع متحد ہوگا، گارسن ڈی ٹاسی ایک مشہور فرینچ فاضل گذرا ہے، انگریزی علمداری کی ابتداء میں وہ ہندوستان میں ت

اگر یہ سچ ہے کہ ملک بین کتب بینی کا ذوق پیدا کرنا علم و روشن خیالی کی خدمت انجام دینا تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ بڑودہ کی ہندو ریاست کا نام اس وصف خاص میں سب سے زیادہ روشن نظر آتا ہے، انتہایہ ہے کہ ہر شہر ہینن، ہر ہر قریہ میں کتب خانہ کھولے جارہے ہیں چنانچہ اس وقت تک ۳۶ کتب خانے کھل چکے ہیں، خاص شہر بڑودہ کے کتب خانہ میں ۱۷ ہزار سے اوپر کتابیں ہیں جن میں سے قریب سات ہزار کے قلمی ہیں، اور دارالمطالعہ بین تقریباً سو دو سو اخبارات و رسائل منگائے جاتے ہیں، پھر ایک علیحدہ زمانہ شاخ ہے اور ایک شعبہ بچوں کے لئے ہے جس میں مخصوص انہین کی دلچسپی کی چیزیں ہیں، پچھلے سال تقریباً ڈیڑھ لاکھ نفوس نے مرکزی کتب خانہ سے استفادہ کیا، اور اگر عورتوں اور بچوں کی تعداد کو بھی شامل کر لیا جائے تو اس میزان میں سولہ ہزار کا اور اضافہ کرنا ہوگا،

چیدر آباد، ہوپال، اور امپور کے شاہی کتب خانہ اس میں شبہ نہیں کہ بجائے خود اعلیٰ قسم کے ہیں، کلکتہ کی امپریل لائبریری ملک میں اپنا جواب نہیں رکھتی، لاہور، الہ آباد، وغیرہ مختلف مقامات کے سرکاری کتب خانے بھی قابل دید ہیں، لیکن بڑودہ میں جو اس کا اعلیٰ نظام قائم ہے اس کے حدود کو جو عظیم الشان وسعت دی جا رہی ہے اور اس چشمہ فیض کو جو طرح گہر گہر پہنچایا جا رہا ہے اس کے لحاظ سے بہتر ہوگا کہ اسلامی ریاستوں اور خود برٹش انڈیا کے خدایان تعلیم شاگردانہ حیثیت سے کچھ زمانہ بڑودہ میں بسر کریں،

کاغذ کے قحط اور سامان طباعت کی گرانی کے ساتھ ہی علم دوست اصحاب کے لئے ایک اہم اور قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ قدیم کتب مطبوعہ کی حفاظت کا کیا انتظام کیا جائے؟ جن جن کتب خانوں میں کتابیں موجود ہیں وہ کوئی موسم دہوا کے زہریلے اثرات سے محفوظ ہیں، اسناد

زمانہ سے کاغذ یا تو خود گلنا جاتا ہے یا کیڑوں کی خوراک بنتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد کتابیں بالکل ازکار رفتہ ہو جاتی ہیں، ان قدرتی آفات سے تحفظ کے وسائل پر غور کرنا ہر کتاب دوست کا فرض ہے، مسئلہ بین تمام ہندوستان کے کتب خانوں کے ہتھمیں (لائبریریئرس) کی جو کافرلس لاہور میں منعقد ہوئی تھی اس نے بھی اس مسئلہ پر توجہ کی تھی مگر کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکی، حال میں امپریل لائبریری (کلکتہ) نے جو اپنی پچھلی سالانہ رپورٹ شائع کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تو پچھلے دو دم کے کتب خانہ کی کتابوں کے جو ایک عرصہ سے میرٹھ میں منتقل کر دی گئی ہیں، مابینہ سے دریافت ہوا کہ جو کتابیں آج سے ستر سال پیشتر تک درست و صحیح حالت میں بہتین ان میں سے پچاس فیصدی بالکل بیکار ہو گئی ہیں، اور بقیہ پچاس میں سے ۳۵ فیصدی رفتہ رفتہ بیکار ہو رہی ہیں، انہیں کتب خانوں کو جب امپریل لائبریری میں نکال کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اتنے عرصہ میں تھیک ہی تناسب وہاں کے خزانہ کتب کے نقصانات میں بھی قائم رہا، تعجب ہے کہ یورپ کی بلند پرواز و فلک پیماتوں نے ایجاد و اختراع اس عام مصیبت سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار نہ نکال سکی،

امریکہ میں ایک ریاست پنسلوینیا ہے، وہاں کے ایک اخبار پبلیسرگ ڈیسیچ نے جمہور کے مذہبی خیالات کا اندازہ کرنے کے لئے حال میں متعدد سوالات اپنے کالموں میں شائع کئے تھے جن میں سے چند کے عنوانات یہ ہیں :-

(۱) آپ کے پاس وجود باری کا کیا ثبوت ہے؟

(۲) کیا ابتداء میں صرف خدا کا وجود تھا؟

(۳) خدا جنگ و خون ریزی کو کیونکر جائز رکھتا ہے؟

(۳) کیا آپ مسیح کی آئندہ آمد کے معتقد ہیں؟ دفس علی ہذا،

ان سوالات کے جو جوابات اخبار مذکور نے پبلک کی طرف سے شائع کئے ان کا لہجہ

ملاحظہ ہو:-

”ابتداءً انسان کو خدا کا تصور اپنی جہالت و خوف کی بنا پر پیدا ہوا، یہ عقیدہ تدریجاً

دنیا سے رخصت ہو رہا ہے، اور ایک زمانہ میں اسکا شمار بھی مسلم ادہام میں ہوگا۔“

”خدا اگر کسی زمانہ میں موجود رہا بھی ہو تو اتنا بہر حال یقینی ہے کہ آفرینش ارض کے

بعد غائب ہو گیا ہے، ممکن ہے کہ محنت سے خستہ ہو کر کسی درخت کے نیچے سستانے چلا گیا۔“

”مسیح کی آئندہ آمد کسی گزشتہ ہی آمد تا بیچ سے ہمیں ثابت ہوتی۔“

”بعض مجذوب الحواس پیشوایان مذہب اب تک یہ ثابت کر چکی فکر میں ہیں کہ دبا، سیلاب،

طوفان، زلزلہ وغیرہ خدا کی نیکی و خوش انتظامی کے ثواب ہیں، لیکن ارباب عقل جاننے

ہیں کہ ان حضرات کا سہارا عقل و فہم نہیں بلکہ خوش عقیدگی ہے۔“

”کلیسا کی روایت ہے کہ خدا کے ایک صاحبزادہ عیسیٰ مسیح تھے، انکے جو حالات و

ارشادات انجیل میں درج ہیں، اگر وہ صحیح ہیں تو یہ یقیناً جنگ و خون ریزی کے

مخالف تھے، لیکن خود خدا تعالیٰ ان چیزوں کو جائز کرتا ہے، کیا ان الوہیت باب

باپ بیٹوں میں بھی نفاق و شقاق کی مثال موجود ہے؟“

جوابات کا بیشتر حصہ اسی نوعیت کے فقروں سے لبریز ہے، جمہور کے مذاق طبیعت کا

صحیح اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان خیالات کی اشاعت سے پرچہ کے خریداروں کی

تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا، یہاں تک کہ چند روز میں دس ہزار جدید خریدار پیدا

ہو گئے، ”دنیا سے جدید“ کو مسیح و مسیحیت سے علما جو برکتی ہے، اسکا ثبوت اسکی زندگی کے

ہر قدم پر ملا کرتا تھا، لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ جرأت و بیباکی کے ساتھ لفظاً بھی اسکا

اعلان کیا جانے لگا ہے، اور سچ یہ ہے کہ جن دماغی صنمک و ن مین جاہ و ثروت، مال و زر،

زن و زمین کے دیوتاؤں کی پرستش ہوتی رہتی ہے، انہیں خدا و روح کے تصور سے کوئی

واسطہ رہنا بھی نہ چاہیے تھا، زر پرستی و خدا شناسی کی یکجائی اجتماع ضدین سے محال تر ہے۔

ہندوستان کی تعلیمی تاریخ کا اہم ترین باب کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ کو قرار دیا

جاتا ہے، اسکی تجاویز اور سفارشاتیں وحی آسمانی کا مرتبہ رکھتی ہیں، اور تعلیمی ملازمتی کا ارشاد

کہ اگر نجات مطلوب ہے تو انکے حرف حرف پر ایمان کامل رکھنا چاہیے، ڈاکہ اور لکھنؤ کی

جدید یونیورسٹیاں انہیں کے مطابق قائم ہو رہی ہیں، کلکتہ، مدراس، والہ آباد کی قدیم

یونیورسٹیوں کو اسی قالب میں ڈھالا جا رہا ہے، اور علیگڑھ ”مسلم“ یونیورسٹی کے نظام و

قانون کی ترتیب میں بھی اسی نمونہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے، لیکن اس سارے دفتر تجدید و

اصلاح کا اصل کیا ہے؟ محض یہ کہ فلان فلان جدید عہدہ قائم کرنا چاہیے، فلان فلان

درجوں کو کالج سے نکال دینا چاہیے، تقسیم اختیارات فلان فلان جدید جماعت و مجالس کے

درمیان کرنا چاہیے، انتظامی و تعلیمی امور کا تعلق جداگانہ مجلسوں سے ہونا چاہیے، بیرونی

درگاہوں کے الحاق کے بجائے تعلیمی مرکزیت پر زور دینا چاہیے، دفس علی ہذا،

ظاہریت و ظاہر پرستی جو صدیوں سے لازمہ تمدن رہی ہے، اور جس نے مذہب

اطلاق، معاشرت، سیاسیات، غرض ہر شعبہ زندگی کو چھالیا ہے، اسکی حکومت قاہرہ کے

شکایت ہے ہمارے مصلحین تعلیم کے بھی دل و دماغ کو اپنی سخت گرفت میں لے لیا ہے ہائیکہ
ہم میں سے جو افراد، اصلاح تعلیم کے لئے بڑے سے بڑے دلوں کے لیکر اٹھتے ہیں وہ بھی
اس ظاہریت کے محدود دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے، اور باوجود انتہائی آزاخیالی کے
ادعا کے ان کا محور فکر تمام تر اسبقدر رہتا ہے کہ نظام مروجہ بین چند خارجی و مادی تغیرات
کر دیئے جائیں، چنانچہ کلکتہ یونیورسٹی کمیشن رپورٹ کے ضخیم مجلدات کا حرف حرف اسی
طریق فکر کے سانچہ میں ڈھلا ہوا نکلا ہے، اور مسلم یونیورسٹی پر جو اعتراضات کی بارش
ہو رہی ہے، اسکے بھی سارے تیرون کا ترکش یہی ظاہریت و خارجیت ہے، حالانکہ اگر
عمارت کی استواری مقصود ہے تو سب سے مقدم، بنیاد کا استحکام ہے، اور دیوار برف
و محراب کی وضع و ہیئت، نقش و نگار کے سوالات بہت بعد کے ہیں، اصلاح کی حقیقی
ضرورت نظام تعلیم کے ڈھانچہ میں نہیں بلکہ اسکی روح میں ہے، اور جو وقت تک تعلیم کا
مقصد طلب دنیا، حصول جاہ، کتاب زر ریگا، صحیح روح و جو د میں آہی نہیں سکتی،
تعلیم کا حقیقی مقصد محض تزکیہ نفس و حقیقت شناسی ہے، اسکے سوا اسکا کوئی اور مقصد
نہیں، اسکی اصلاح نہیں، تخریب کی سعی کرنا ہے،

تعلیم کا یہ تخیل دنیا کے لئے بالکل الو کہا نہیں، ہندوؤں کی کتب قدیمہ میں اسکی بکثرت
تصریحات ملتی ہیں، اور مسلمانوں کا لٹریچر بھی اس سے خالی نہیں، امام غزالی وغیرہ کی
تصانیف سے قطع نظر کر کے جنہیں فرائض معلّم و متعلّم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہی مقصد تعلیم
کی تفسیر ان کتابوں میں بھی ملتی ہے جو خالص تصوف پر لکھی گئی ہیں، مولانا جامی کی شہسوی
تحفۃ الاحرار تصوف کی ایک مشہور کتاب ہے، لیکن اس میں ایک مستقل مقالہ احوال علماء سے

معلق ہے، جسکے ضمن میں مقصد تعلیم کو حیرت انگیز جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ
اسکی غرض محض حقیقت جوئی ہونا چاہیے، نہ کہ طلب دنیا، اور جو لوگ فلسفیانہ یا مذہبی حقیقت
سے محض ظاہری اسباب و حوادث کے پھیر میں پڑے رہ جاتے ہیں، انکی سخت مذمت
کی ہے، فرماتے ہیں،

نورِ دل از سینہ سینا مجوسے روشنی از چشم نابینا مجوسے

اسکے آگے اسکی تصانیف اشارات، شفا، نجات، و قانون کا نام لے لیکر انکی چوکی ہے
اور ساتھ ہی فقہ، عقاید و کلام کی کتابوں کو بھی اسی دائرہ میں لپیٹ لیا ہے، مثلاً ہدایہ
نہایہ، موافق، مقاصد وغیرہ، اسلئے کہ یہ کتابیں اصل حقیقت تک پہنچانے میں ہارج
ہوتی ہیں اور ذہن کو ظاہری و سطحی اسباب و علل کی زنجیروں میں اُجھا دیتی ہیں،

خاصیت علم سبب موزی است شیوہ جاہل سبب آموزی است
جس علم سے تزکیہ نفس ہو وہ علم لا حاصل ہے،

گر ز موانع دل تو صاف نیست کشف موانع در کشف نیست
تُرک نفاق و کم تبلیس گیر علم ز سر چشمہ تقدیس گیر
علم چو دات ز عمل سر پیچ دانش بیکار سر ز دپیچ

سب سے بڑھکر یہ کہ معلّم کو خدمت تعلیم کے لئے اگر انقدر معاوضہ لینے کی قطعاً ممانعت ہے
اور قناعت اسکا فرض اولین ہے،

چون دگران راشوی آموزگار کم طلب آن را عوض از روزگار
علم بود جوہر و باقی سفال آن چون حقیقت دگران چون خیال
بیج جو اہر بہ سفا لے کہ چہ بذل حقائق بہ خیالے کہ چہ

اسی مقالہ میں ایک عالم کی حکایت درج ہے جو ایک بار کنوئین میں گر پڑے تھے اور اسکے اندر سے صدائے استغاثت بلند کر رہے تھے، اتفاق سے ادھر اسکے ایک شاگرد کا گزر ہوا، اور اس نے ایک مصیبت زدہ کی آواز سن کر اسے نکالنا چاہا، عالم راہ گیر سے کہا کہ پہلے اپنا نام و نشان بتا دیجئے، شاگرد نے اپنا تعارف کرایا، استاد نے یہ سن کر مٹا اسکی مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا، کہ کہیں یہ مدد، انکی بغیرضمانہ خدمت تعلیم و تدریس کا معاوضہ نہ ہو جائے اور اسکے مقابلہ میں کنوئین کے اندر پڑا رہنا قبول کیا۔

گفت کہ حاشا ازین چاہ پست در زخمِ امر و زبردست تو دوست

منکہ تعلیم میان بستہ ام از قرض سود و زیان رستہ ام

کوشتم از راہ خداوندیت خاص پے فضل خداوندیت

کے بجزائے دگر آلامش در غرض آلودگی افزائش

در تگ این چاہ نشینم اسیر تا شودم بغیرضے دستگیر

کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کے فاضل ارکان جو ہمیشہ قرار مشاہدین پر پرتکلف زندگی بسر کرتے رہے، اس قناعت و ایثار، بغیرضی و نفس فراموشی کے معنی سے بھی واقف ہیں؟ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ فن کے ذہن میں کبھی اس طرز زندگی کا تصور پیدا ہوا ہے؟ خیر، اغیار سے چند ان گاہک ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ جامی و غزالی کے ہمعقوبین اور مسلم یونیورسٹی کے موبدین و مخالفین دونوں جماعتوں میں سے کتنے افراد تعلیم کے اس مفہوم پر ایمان لائے کو تیار ہیں؟

دارالمصنفین اپنی تکمیل میں اگرچہ ابھی تک بہت سی چیزیں کا محتاج ہے، لیکن اسکی

حقیقی روح صرف ایک عظیم الشان کتب خانہ ہے جو افسوس ہے کہ اتنا تک نہایت ابتدائی حالت میں ہے، مولانا شبلی مرحوم نے اپنا بہترین کتب خانہ جو انکے روحانی اولاد کا اصلی ترکہ ہو سکتا تھا پہلے ہی ندوہ پر وقف کر دیا تھا، اخیر میں جب انھوں نے دارالمصنفین کو عظیم گدھ میں قائم کرنا چاہا تو اس طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ مبذول کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکی زندگی ہی میں چھ سات الماریاں کتابیں جمع ہو گئیں، اسکے بعد متعدد علم دوست احباب نے کچھ کتابیں نذر کیں اور حسب ضرورت دارالمصنفین بھی اس سرمایہ میں اضافہ کرتا رہا، لیکن باوجود ان تمام کوششوں کے دریا میں ایک قطرہ سے زیادہ کا اضافہ نہ ہو سکا، حال میں مولانا سید سلیمان ندوی نے یورپ کا جو سفر کیا، اس میں علاوہ مذہبی اور قومی خدمات کے انھوں نے دارالمصنفین کے اس مقصد کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا اور جہاں تک امکان میں تھا مطبوعات یورپ میں سے دارالمصنفین کے لئے بہترین کتابیں خریدنے اور بھیجے رہے، اب دارالمصنفین میں مطبوعات یورپ کا ایک ایسا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو نہ صرف مصنفین کے لئے کارآمد ہو گا بلکہ دارالمصنفین کے خصوصیات میں شمار کیا جائیگا، اسکے علاوہ مولانا سے موصوف نے یورپ کے کتب فروشوں سے مستقل علمی تعلقات قائم کر لئے ہیں، اسلئے جس قدر ناوہ کتابیں یورپ میں طبع ہوتی رہیں گی اسکا ایک نسخہ دارالمصنفین میں ضرور پہنچتا رہیگا، اور اس طرح دارالمصنفین کی یہ خصوصیت روز بروز اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی جائیگی،

مقالہ

آیت اختلاف

جماعت انسانی کا کوئی اہم کام بغیر کسی خاص نظام کے نہیں چل سکتا، وہ نظام جو تمام مسلمانان عالم کی جماعت کی تشکیل کرتا ہے، اور باوجود اختلاف قومیت، اختلاف زبان، اختلاف وطن، انکو باہم گردالستہ اور مربوط کرتا ہے، وہ خلافت ہے، اسلام جغرافیائی زمینوں میں، نسلی قومیتوں میں، مصنوعی زبانوں میں، کالی اور گوری رنگتوں میں منقسم نہیں ہے، وہ تمام دنیا کے ان افراد کو جنہوں نے اس کے اصول زندگی اور طریق عمل کو اختیار کر لیا ہے، اخوت اور برادری کی ایک ہی سطح پر کھڑا کر دیتا ہے، اور اسی عالمگیر برادری کا مرکز وہ نقطہ ہے جسکو ہم مسلمان خلافت کہتے ہیں،

مسئلہ کے صحیح پہلو کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں کے اساس دین و مذہب یعنی قرآن مجید کی صرف ایک آیت پر غور کرنا کافی ہے، چنانچہ ایک مختصر تہیہ کے بعد اسی آیت پاک کی طرف ہم اپنے دوستوں کو متوجہ کرتے ہیں،

”خلافت کے لغوی معنی ”جانشینی“ کے ہیں، مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ”نوع انسانی“ اس سطح خاکی پر خداوند تعالیٰ کی طرف سے جانشین ہے، وہ تمام خیر و سعادت وہ تمام کمالات و حسنات جنکی وہ ذات آندہ میں منع ہے، نوع انسانی کا فرض ہے کہ بحیثیت جانشینی کے اپنی محدود دست انسانی کے مطابق اپنے اندر ان کے حصول کی کوشش کرے تاکہ وہ اس کمال مطلق اور حسن مطلق، منشی کی صحیح جانشین ہو سکے،

اسلام کی مقدس کتاب کا پہلا حصہ جس اصولی سبق سے شروع ہوتا ہے وہ یہی مسئلہ خلافت انسانی ہے، حضرت آدم کا قصہ یہود و نصاریٰ دونوں میں مسلم ہے، لیکن اسلام میں اس قصہ کی تشریح ایک اصولی اعتقاد کی حیثیت رکھتی ہے، تخلیق آدم کی غرض و غایت عقاید اسلامی کے مطابق صرف یہ ہے کہ وہ خداوند عالم کا اس سطح خاک پر خلیفہ نامزد ہوا، قرآن مجید کے ابتدا کی سورہ کی یہ آیت ہے،

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً
یا ذکر جب خدا نے فرشتوں سے کہا کہ ہم زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والے ہیں،

بالآخر یہ خلیفہ بنایا گیا اور آدم اسکا نام ہوا، یہی آدم جو خدا کی طرف سے خلیفہ بنا، اپنے فرزندوں کے لئے پیشوا اور امام ہوا، یعنی وہ خالق کا خلیفہ اور مخلوق کا امام تھا، حضرت آدم کے بعد اپنے اپنے عہد اور زمانہ میں بہ ترتیب جو انبیاء عظام (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دنیا میں تشریف لاتے گئے، وہ خلفائے الہی اور ائمہ انسانی رہے، اور قرآن پاک نے انکو اسی نام سے بار بار یاد کیا ہے،

حضرت ابراہیم جو اسلام میں ایک عظیم الشان پیغمبر تسلیم کئے گئے ہیں، انکی نسبت قرآن میں خدا سے پاک کہتا ہے،

اِذْ اٰتٰی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا دٰبِقًا
حضرت داؤد جنکو مسلمان پیغمبر یقین کرتے ہیں، قرآن انکو خلیفہ کہہ کر پکارتا ہے،
یٰۤاٰدٰۤاۤ اٰتٰی جَاعِلُکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ
اے داؤد میں نے تمکو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا

مسلمانوں کے اعتقاد میں آخرین خلیفہ الہی اور امام انسانی پیغمبر عرب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے، آپکی وفات کے بعد خلافت الہی کے بجائے خلافت بنوی کا سلسلہ

شروع ہوا، صحیح مسلم جو اسلام میں حدیث کی دوسری مستند ترین کتاب ہے، اس میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو سہیل تسوسہم الامیر
کلہا ہلک بنی خلفہ بنی وانزل بنی بعدی دستکون خلفاء سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر
خلیفہ رسول اللہ کے خطاب سے مخاطب ہوئے، اسکے بعد یہ سلسلہ اس وقت سے آج تک
بلا انقطاع قائم ہے، قرآن مجید کی وہ آیت پاک جو اس عمارت کی بنیاد ہے یہ ہے،

وعدا اللہ الذین امنوا و عملوا الصلحت
لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین
من قبلہم ولیمکن لہم دینہم الذی
ارتضی لہم ولیدلنہم من بعد
خوفہم امناء یعبدوننی ولا یشرکون
بی شیئاً ومن کفر بعد ذلک فاو لئلا
ہم الفاسقون، (نور)

خدا نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا
(یعنی مسلمانوں) سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انکو زمین میں
اسی طرح خلیفہ بنائیں گے جسطرح انکو بنایا جو ان سے پہلے
اور ان کے اس دین کو جسکو وہ ان کے لئے پسند کر چکے
قائم و مستحکم کریں گے، اور خوف کے بعد انکو امن بخینا گار
مجھے پوچھیں اور میرا کسیکو شریک نہ بنائیں اور جو ان کے
بعد بھی کافر ہوں گے تو وہ بے شبہ مجرم ہوں گے۔

ان آیات پاک میں نہ صرف مسئلہ خلافت کا سرسری ذکر ہے بلکہ اسکی حقیقت اور اس کے
تمام شرائط و مصالح بھی بتا دیئے گئے ہیں، ان آیات پاک میں پانچ الفاظ ہیں جنکی تفسیر
ہمارے مقاصد کی گرہ کشائی کر دیگی،

(۱) استخلاف

(۲) الارض

(۳) تمکین دین

(۴) تبدیل امن من بعد الخوف

(۵) عبادت الہی و عدم اشراک،

استخلاف | استخلاف کے معنی عربی زبان میں خلیفہ بنانے اور حکمران بنانے کے ہیں، یعنی
اس ایک لفظ کے لغوی معنی کے اندر مادی و روحانی، دنیاوی و دینی دونوں قسم کی
سرکاری و سیادت کے معنی داخل ہیں، علاوہ لغت کے ہم یہاں بطور نمونہ کے چند مستند
مفسرین کی رائیں نقل کرتے ہیں، سب سے قدیم اور مستند مفسر امام ابن جریر طبری کی
تفسیر یہ ہے،

لیورثہم اللہ ارضاً لمشرکین من العرب
والجمہ فیجعلہم ملوکاً و ساستھا
(ج ۱ ص ۱۰۹)

اللہ تعالیٰ عرب و عجم کے غیر مسلم سے ملک لیکر مسلمانوں کو
انکا وارث بنائیں گے کہ وہ اسکے بادشاہ اور اسکے
منتظم کا رہوں گے،

علامہ بخاری کی مشہور تفسیر معالم میں ہے،

لیورثہم اللہ ارضاً الکفار من العرب و الجمہ
فیجعلہم ملوکاً و ساستھا و سکاھا،
قاضی برہنہادی لکھتے ہیں،

خدا مسلمانوں کو کفار کی زمین کا وارث کرے گا تو انکو
اسکا بادشاہ، منتظم اور باشاہ بنائے گا،

لیجعلہم خلفاء متصرفین فی الارض تصرف
الملوک فی ممالکہم
خدا مسلمانوں کو خلیفہ بنائے گا جو زمین کا اسی طرح انتظام کرے گا
جسطرح بادشاہ اپنی سلطنت کا کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر جنکی تفسیر تمام تفسیروں میں مستند ترین تفسیر ہے، اسکی تفسیر ان الفاظ میں
کرتے ہیں،

هذا وعد من اللہ تعالیٰ لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم بانہ
سيجعل من خلفاء الارض ای ائمة الناس
خدا کا پیغمبر سے وعدہ ہے کہ اسکے پیروؤں کو وہ زمین کا
حکمران، لوگوں کا امام و پیشوا اور اپنے امور کا منتظم

والولا علیہم وجمع تصحیح البلاہ
و تخضعہم لعمالعباد،
ہوگی اور لوگ انکی اطاعت کریں گے،

ان تفسیروں کے علاوہ دیگر کتب تفسیر میں اختلاف کے یہی معنی لکھے ہیں، اس تفسیر
جس پر تمام مسلمان علماء اور ائمہ کا اتفاق ہے، یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ خلیفہ دینی و دنیادی مادی
و روحانی دونوں قوتوں کا ایک وقت رئیس و سردار ہے، کوئی روحانی خلیفہ و امام اس
وقت تک خلیفہ و امام نہیں ہو سکتا جب تک وہ مادی و دنیادی طاقت کسی نہ کسی
طرح اپنے ہاتھ میں نہ رکھتا ہو،

الارض | دوسرا لفظ الارض کا ہے، ارض کے لغوی معنی مطابق زمین و ملک کے ہیں،
لیکن بیان ارض پر اہل ف لامر کسی خاص چیز کو جاتا ہے اور وہ وہ سرزمین ہے جسکو
مسلمان روز ازل سے مقدس جانتے ہیں، اور جسکو تورات نے "زمین مقدس" کا خطاب
دیا ہے اور جو ابراہیم کی اولاد کو بطور وراثت عطا کی گئی تھی، یہو و اس مقدس زمین کو
صرف فلسطین میں محدود سمجھتے ہیں کہ وہ ان کا اصلی وطن تھا، لیکن اسلام اس احاطہ میں
اس تمام سرزمین کو گھرا ہوا تسلیم کرتا ہے جو اب تک اولاد ابراہیم کی بیشمار تعداد سے آباد ہے
اور جو ہمیشہ سے پیغمبروں کا مسکن رہا ہے، یعنی وہ سرزمین جسکو جبلہ و فرات، بحر شام، بحر احمر
بحر ہند اور خلیج فارس چاروں طرف سے محیط ہے، جس میں عراق و شام و عرب واقع ہیں
چونکہ یہ قطعہ ارض چاروں طرف سے پانیوں سے گھرا ہوا ہے، اس لئے اسکو پیغمبر اسلام نے
جزیرۃ العرب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ اس قطعہ زمین کو ہمیشہ غیر مسلم
دست اندازی سے محفوظ رکھا جائے، لیکن اسلام کی خالص زندگی ہمیشہ قائم رہے،
الارض ارض خلافت کا قلب و دماغ ہی قطعہ ارضی ہے، اور اسکی وسعت اطراف

ملک میں حالات کے مطابق گہنتی اور بڑھتی رہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف جزیرہ
نہاے عرب تک محدود تھی، خلیفہ اول کے عہد میں شام و عراق کے حدود تک پہنچ گئی،
خلیفہ ثانی نے اسکو ایک طرف مصر اور دوسری طرف ایران کی سرحد سے ملا دیا، خلیفہ ثالث
کے زمانہ میں ارض خلافت افریقہ اور ترکستان تک وسعت پذیر ہو گئی، خلیفہ چہارم کے
عہد خلافت میں مملکت اسلامی دو حصوں میں منقسم ہو گئی، عرب و عراق و عجم حضرت علی کے
ہاتھ میں رہے، اور شام، مصر و افریقہ امیر معاویہ کے قبضہ میں چلے گئے، حضرت علی کی
وفات کے بعد جب مسلمانوں نے امیر معاویہ کو خلیفہ تسلیم کیا، اور اسکے بعد بنو امیہ کے
آخری زمانہ تک یعنی ۳۳۰ھ تک ارض خلافت اسپین سے سندھ تک، یورپ، ایشیا،
افریقہ تین براعظموں میں بٹی رہی، بنو عباسیہ جب مدعی خلافت ہوئے تو انکی حدود خلافت
دوسری طرف مصر سے آگے افریقہ و یورپ تک نہ پھیل سکتے۔

بہذا دین خلافت عباسیہ کی تباہی کے بعد مصر میں جب خلافت عباسیہ منتقل ہوئی تو
اسکی وسعت ملکی صرف مصر و شام و عرب تک محدود رہ گئی، سہ میں جب غاندان عثمانی
میں خلافت منتقل ہوئی تو اسکی وسعت نے پھر یورپ و افریقہ و ایشیا تینوں براعظموں کو گھیر لیا،
اس تفصیل سے یہ واضح ہوگا کہ ارض مقدس ہر زمانہ میں خلافت کا اصلی جزو اور دیگر
مالک خلیفہ وقت کے جائے وقوع و جائے حکومت اور فوجی طاقت کے مطابق اس میں شامل
رہے ہیں، مگر بہر حال از روئے اصول کے اسکی وسعت ارضی ہر زمانہ میں اس قدر رہنی چاہئے
کہ وہ اس زمانہ کی گرد و پیش کی غیر مسلم سلطنتوں کے مقابلہ میں اپنی بقا و زندگی کی حفاظت
کرسکے،

اس تشریح کے بعد لفظ الارض کے متعلق مستند مفسرین کی شہادتوں کو سننا چاہئے،

علامہ ابن کثیر جو از روئے صحت روایت مستند ترین مفسر ہیں انکا بیان ہے،

هَذَا وَعْدٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لِرَسُولِهِ صَلَّى

خدا نے پیغمبر صلعم سے یہ ایک وعدہ کیا تھا کہ وہ

انکے پیروؤں کو زمین میں خلیفہ بنائیگا، خدا نے یہ

وعدہ پورا کیا، چنانچہ آپ نے اس وقت تک وفات

ہنیں پائی جب تک مکہ، خیبر، اور تمام عرب اور

ہمیں آپ کی ماتحتی میں نہ آگیا، اور ہجر (بحرین) کے

موجودین سے اور شام کے چند مقامات سے جزیہ

نہ لے لیا، اور قیصر روم اور مصر و اسکندریہ کے

سلاطین اور عمان کے امراء اور نجاشی شاہ حبشہ

آپ کو یہ دیا،

بَارَةً سَيَجْعَلُ أُمَّتَهُ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ.... وَقَدْ

فَعَلَهُ... فَإِنَّهُ صَلَّى عَلَيْهِ

مَكَّةَ وَخَيْبَرَ وَالْبَحْرَيْنِ وَسَائِرَ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ

وَأَرْضِ لَيْمَنْ بَكْمَالِهَا وَخِذَ الْجَزْيَةَ مِنْ حُجُوسِ

بُحْرَيْنِ وَمِنْ بَعْضِ طَرَفِ الشَّامِ وَصَادَاةَ

قُلُوبِ مَلِكِ رُومٍ وَصَاحِبِ مِصْرٍ وَ

اسکندریہ و ملوک عمان و النجاشی

مَلِكِ الْحَبَشَةِ،

علامہ زحمتی نے جو از روئے ادب زبان بہترین مفسر تسلیم کئے گئے ہیں لکھتے ہیں،

”خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور مسلمانوں کو پہلے جزیرۃ العرب کا مالک بنایا اور اسکے

بعد مشرقی و مغربی ممالک کو انھوں نے فتح کیا۔“

غرائب القرآن میں جو قرآن کا مستند لغت ہے مذکور ہے،

چنانچہ خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا اور انکو جزیرۃ العرب کا مالک اور کسریٰ کی

مملکت و خزانہ کا وارث بنایا،

ابن الاعرابی کا بیان ہے کہ

الأرض کے معنی ملک عرب اور اسکے سوا اور ممالک بھی مراد ہیں،

الغرض ان تمام نصریحات سے واضح ہوگا کہ خلافت کی ارض موعودہ کے اندر جزیرۃ العرب

تو بمنزلہ اصل کے ہے اور اسکے علاوہ دیگر ممالک بھی اسکے اندر داخل ہیں،

تکلیف دین | یہ لفظ جس آیت پاک میں واقع ہے وہ حسب ذیل ہے،

وَيُمْكِنُ لَهُمْ دِينُهَا الَّذِي

اور خلافت دیکر، انکے اس دین کو جسکو اُس نے

انکے لئے پسند کیا ہے قوت و استحکام دیگا،

آیات استخلاف کے اس ٹکڑہ سے یہ واضح ہوگا کہ اس خلافت الہی کا مقصد یہ ہے کہ

مسلمانوں کا وہ دین جسکو خدا نے انکے لئے پسند کیا ہے یعنی اسلام اسکو دنیا میں قوت و

استحکام بخشایا جائے کہ ظالموں اور شتمگروں کی زبردستی کے حملوں سے وہ دین اور اسکے

ماننے والے ہمیشہ محفوظ رہیں، اور بخت نصر، بئرو، اور چنگیز کے ظہور ثانی کا اسلام کو

خطرہ نہ رہے،

مفسرین کی راہیں اسکے متعلق آگے آتی ہیں،

تبدیل امن من بعد الخوف | اسلام جب عرب میں ظہور پذیر ہوا، تو دعوت حق کے جواب میں

اسکو ہر طرف سے تیغ و خنجر اور تیر و تبر کے زخم کھانے پڑے، ۱۳ برس کی مدت اہنین

ظلم و ستم کی پرورد و استانوں سے ملوے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خلافت الہی

کی بنیاد ڈالنے کا حکم عنایت فرمایا، اور اسکا مقصد یہ قرار دیا کہ دنیا میں اسلام کے لئے

امن و سلامتی قائم ہو، اس بنا پر اس آیت استخلاف کے ان الفاظ سے

وَلْيَبْدِ لَهُمُ الْخَوْفُ آمِنًا

اور (اس خلافت کے ذریعہ سے) مسلمانوں کے

خوف کو امن سے بدل دیگا،

یہ واضح ہوتا ہے کہ خلافت کے وجود کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسکی قوت کے زیر سایہ مسلمان

امن و سلامتی کے ساتھ رہ سکیں، اس تفسیر کی نائید میں حسب ذیل بیان نقل کرتا ہوں جو

تمام مفسرون کی متحدہ عبارت ہے،

اس سے یہ مقصود ہے کہ اسلام کی بنیاد مضبوط و مستحکم ہو، مسلمان مدینہ میں مجبور رکھے گئے تھے کہ وہ ہمیشہ اپنی مخالفت کے لئے مسلح رہیں، وہ آخر اس طرز زندگی سے تنگ گئے اور پیڑ سے آکر بلقی ہوئے تو خدا نے وعدہ کیا کہ وہ انکو خلافت بخٹیکے جس سے وہ امن و امان میں رہیں گے،

ایشیا و یورپ و افریقہ کی گزشتہ موجودہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ خطرہ اب بھی دنیا میں اسی طرح قائم ہے جس طرح آج سے سارے تیرہ سو برس پیشتر تھا، اسپین، سسلی، کریٹ، بالٹا، ہرزیکوونا، بوسینا، یونان، سرویا، بلغیریا، مقدونیہ، سمرنا، ارض روم، آرمینیا، وغیرہ کے واقعات کیا محتاج بیان ہیں،

عبادت الہی و عدم اشراک | خدا ارتداد فرماتا ہے کہ اس خلافت کا، اس استحکام دین کا، اس امن و امان کا مقصد کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ

یعبدا و نعبی و لا یشرکون لی شیعنا، مجھ کو پوجیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان ایک خاص پیغام الہی لیکر دنیا میں بھیجے گئے ہیں، انکے خاص عقاید ہیں، انکے خاص عبادات ہیں، انکے خاص علوم و فنون ہیں، ان کا ایک خاص تمدن اور ایک خاص اصول زندگی ہے، خلافت کی مادی طاقت کا اصول اسی مصلحت پر مبنی ہے، کہ مسلمان اپنی مخصوص روحانی زندگی اور مخصوص مادی تمدن کو دنیا میں قائم اور باقی رکھ سکیں،

دنیا کی گزشتہ تاریخ جس طرح مظالم اور ستم آریوں سے مل رہی ہے، مستقبل تاریخ کے لئے کون ضمانت کر سکتا ہے وہ ایسی ہی یا اس سے بدتر ہوگی، اسی لئے دنیا کی وسیع

ملکت میں انسانوں کی ایک خاص جماعت یعنی مسلمان اپنی بقا اور زندگی کے لئے عقیدہٴ مجبور ہے کہ وہ دیگر برادران انسانی سے اپنے لئے ایک سایہ امن کے طلبگار ہوں، اور یہی خلافت ہے جو آغاز اسلام سے اب تک دنیا سے اسلام میں قائم رہی ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ وہ آئندہ بھی قائم رہے گی، حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں،

فَالصَّاحِبَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ لَمَّا كَانُوا أَقْوَمَ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادَا مِمَّا لَلَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَأَطَاعَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ نَصْرُهُمْ بِحُجَّتِهِمْ وَظُهُرَ وَكَلِمَةُ اللَّهِ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ أَيْلَهُمْ تَائِيًا عَظِيمًا وَحُكْمُهَا فِي سَائِرِ الْعِبَادِ وَالْبُلُوِّ وَلَمَّا قَصَا النَّاسُ بَعْدَهُمْ فِي

بعض الامور نقص ظہور ہم بحسبہم ولكن قد ثبت في الصحيحين من غير جرح عن رسول الله صلى الله عليه وآله انه قال لا تزال طائفة من

حقى ظاہرین علی الحق لا یضلہم من خلدی و لا من خالفہم لی یوم القیامۃ و فی روایۃ حقى یالی امراء اللہ و ہم کذا کث فی روایۃ حقى لقیاتلو الدجال و فی روایۃ حقى ینزل عیسی بن مریم و ہم

یہ روایت متعدد طریقوں سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک نہ ایک گروہ قیامت تک حق پر غالب رہے گا اور اسکو کیسا ترک نصرت اور مخالفت نقصان پہنچائیگی ایک روایت میں ہے کہ اسوقت تک غالب ہوگا جب تک خدا کا حکم آجائے (یعنی قیامت) اور اسوقت تک وہ اسی طرح غالب ہوگا، دوسری روایت میں ہے کہ جب تک دجال سے وہ قتال کر لینگے ایک اور

روایت میں ہے کہ جب تک عیسی بن مریم نازل ہوں وہ غالب رہیں گے، یہ تمام روایتیں صحیح ہیں اور ان میں باہم کوئی تضاد نہیں۔

یہ تمام روایتیں صحیح ہیں اور ان میں باہم کوئی تضاد نہیں۔

ایک غلطی کا اعتراف

شاہ دلی اللہ اشتیاق دہلوی

اردو شعراء کے پرانے تذکروں میں ایک شاعر شاہ دلی اللہ نام، اشتیاق تخلص دہلوی مسکن کا ذکر ہے، اور سب لوگ جانتے ہیں کہ اس خاک پاک دہلی میں شاہ دلی اللہ نام دو بیگانہ عصر پیدا ہوا تھا جس نے ہندوستان میں اسلام کے کالبید خاکی میں زندگی کی نئی روح پونکی تھی جسکی تصنیفات و خیالات نے ہندوستان میں تجدید ملت کا سب سے پہلا پتھر نصب کیا، حجۃ اللہ البالغہ انکی مترکات علمی میں سب سے زیادہ مشہور ہے، نیز از الہ انخفا عن تالیج الخلفاء اور قرة العین فی تفضیل الشیخین انکی متداول تصنیفات ہیں، علم تفسیر و حدیث میں یہ اپنے عہد کے امام تھے، قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا تھا، جو عام طور سے بازاروں میں ملتا ہے خود مجددی طریقہ میں بیعت تھے، اور اسی طریقہ مجددیہ کے مرشد بھی تھے اور حضرت احمد مجدد الف ثانی کے خاندان سے انکے قریب کے تعلقات تھے، شاہ عبدالعزیز اس نامور باپ کے فرزند ارجمند تھے،

اردو تذکرہ نویسوں میں علی ابراہیم خان ایک بزرگ ہیں، جھون نے گلزار ابراہیم کے نام سے اردو شعراء کا فارسی زبان میں ایک تذکرہ ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۱ء میں تالیف کیا سولہ سترہ برس کے بعد ۱۲۱۵ھ میں مرزا علی تخلص بہ لطف نے اس تذکرہ کو مع حذف و اضافہ نگلشن ہند کے نام سے اردو زبان میں منتقل کیا، ۱۲۱۹ھ میں ایک صدی سے بھی زیادہ مدت کے بعد حیدر آباد دکن سے یہ تذکرہ چپکر شائع ہوا، مولانا شبلی مرحوم نے

اس کتاب پر کچھ حواشی لکھے، جنہیں مطالب کتاب کی تصحیح و تشریح کی ہے اور مولوی عبدالحق صاحب موجودہ ناظم انجمن ترقی اردو نے اس پر مقدمہ لکھا جس میں ایک حد تک کتاب مذکور پر تنقید و تبصرہ کا فرض انجام دیا، غرض یہ کتاب بڑی دہوم دہام سے چھپی شائع ہوئی اور ارباب علم کے ہاتھوں میں آئی،

اس تذکرہ کے صفحہ ۲۳۳ میں شاہ دلی اللہ تخلص بہ اشتیاق کا تذکرہ ان الفاظ میں

مقدم ہے،

”اشتیاق تخلص، شاہ دلی اللہ نام، متوطن سرہند کے، اس رونق بخش دین احمدی کا سلسلہ ارادت شیخ احمد کو کہ مجدد الف ثانی جنکا لقب تھا پہنچتا ہے، علی ابراہیم خان مرحوم اصل تذکرہ نویس صاحب گلزار ابراہیم نے شاہ محمد گل کو جد انکا لکھا ہے، لیکن راقم حقیقہ کے گوش زد یہ مضمون نہیں ہوا، فی الحقیقت مرتبہ علم کا اس عالی جناب کے نہایت بلند تھا، خصوص علم حدیث و تفسیر میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ اسم گرامی اس برگزیدہ روزگار کا زبان خلّاق پر آج کے دن تک شاہ دلی اللہ محدث کر کے جاری ہے، اکثر کتابیں تصنیف اس بحر علم کی مشہور ہیں، چنانچہ دو نسخے کہ ایک کا نام ”قرة العین فی البطل شہادۃ الحسین“ ہے، اور دوسرے کا نام جنت العالیہ فی مناقب المعادیہ“ کہتے ہیں، تصنیفات سے اس محی الدین کی یادگار صفحہ ۱۰۷ ردگار ہیں، والد ماجد ہیں، یہ اس رونق بخش کشور قناعت کے کہ جبکا نام نامی مولوی عبدالعزیز آج کے دن تک قدم توکل گاڑے ہوئے شاہ جہان آباد (دلی) میں بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔

الغرض وہ جامع جمیع علوم یعنی شاہ دلی اللہ مرحوم عین حیات میں اپنے کوئلہ میں فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے، اوقات شریف کو بطور درویشان اہل معنی کے

برسر کرتے تھے، اشعار فارسی کے فرمانے کا اتفاق کمتر ہوتا تھا اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر

یہ تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب کے پڑھے ہی دنوں کے بعد لکھا گیا ہے، انکے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب دلی میں اس وقت تک زندہ تھے، اسلئے اس تذکرہ کو استناد کی حیثیت حاصل تھی، جن الفاظ میں شاہ صاحب کے اس نے حالات لکھے ہیں وہ چند مشتبہ امور کے علاوہ تمام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصنف حجۃ اللہ الیہ اللہ پر صادق آتے ہیں ان مشتبہ امور کی نسبت ارباب نقد کی نگاہ کے سامنے دو راہیں ہیں ایک یہ کہ سرے سے شاہ ولی اللہ اشتیاق، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مصنف حجۃ اللہ الیہ اللہ نہیں ہیں اور مصنف نے غلطی سے اسکو ایسا سمجھا ہے، لیکن قرب زمانہ کی وجہ سے اسکو جو اسناد حاصل تھا اس بنا پر یہ راہ اختیار نہیں کی گئی بلکہ دوسری راہ اختیار کی گئی اور وہ یہ ہے کہ یہ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے اور انہیں کا تخلص اشتیاق تھا اور جن بعض تصنیفات کے غلط نام جو انکی اصل تصنیفات کے ناموں سے ملتے جلتے ہیں مصنف نے لکھے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، چنانچہ مولانا شبلی مرحوم نے اس تذکرہ پر جنوری ۱۹۰۲ء میں جو دیباچہ لکھا تھا جسکا قلمی نسخہ دار المصنفین میں انکے ہاتھ کا لکھا موجود ہے اور جو گلشن ہند کے ساتھ اپنی اصلی صورت میں شائع نہیں ہوا ہے، اس میں مولانا مرحوم نے اس بحث کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے،

شاہ ولی اللہ صاحب محدث تخلص بہ اشتیاق کے حال میں لکھا ہے کہ کوٹلہ میں فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے، اوقات شریف بطور درویشان اہل منی کے بسر کرتے تھے، اشعار فارسی فرمانے کا کمتر اتفاق ہوتا تھا، اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر

پھر اس عبارت پر حاشیہ دیکر مولانا مرحوم کہتے ہیں،

مصنف نے شاہ صاحب کے متعلق بعض غلطیاں بھی کی ہیں مثلاً انکی کتاب کا نام قرۃ العین فی البطل شہادۃ الحنین لکھا ہے، حالانکہ نام کا دوسرا حصہ غلط ہے، ایک اور کتاب کا نام مناقب معاویہ بتایا ہے، حالانکہ انکی کوئی تصنیف معاویہ کے فضائل میں نہیں، مصنف شیعہ تھا۔

گلشن ہند کے مطبوعہ نسخہ میں اس مقام پر مولانا مرحوم کا حسب ذیل حاشیہ چھپا ہے، ”دونوں نام (کتاب کے) غلط ہیں، پہلی کتاب تفصیل شیخین میں ہے، شہادت امام حسین کے ابطال سے خدا نخواستہ اسکو کوئی تعلق نہیں، دوسری کتاب تو بالکل فرضی ہے، معاویہ کے مناقب میں انکی کوئی کتاب نہیں“
خجائہ جاوید کے مصنف نے بھی ایسی تقلید کی،

اگست ۱۹۱۴ء کے معارف میں، میں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ایک شاعر کی حیثیت سے ایک مضمون لکھا، جس میں انکے عربی و فارسی اشعار کا تذکرہ کیا اور تنقید میں یہ لکھا،

تاہم یہ کسی کو خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ حجۃ اللہ الیہ اللہ کا مصنف ایک اردو یا فارسی کا شاعر بھی ہو سکتا ہے، ارباب معرفت اپنی خلوت راز میں جسکو شیخ العصر کہتے ہیں، علماء اپنے حلقہ درس میں جسکو امام الہند سے مخاطب کرتے ہیں، کوئی کہہ سکتا تھا کہ بزم شاعری میں حضرت اشتیاق ان کا خطاب ہے، مرزا علی لطف کے تذکرہ گلشن ہند نے سب سے پہلے اس راز کو فاش کیا۔

میں اسی خیال پر قائم تھا کہ اتفاق سے ایک دن میر قدرت اللہ قدرت کی کتاب طبقات الشعراء میں شاہ ولی اللہ اشتیاق کا تذکرہ میری نظر سے گذرا جسکی عبارت یہ ہے

دو حقائق و معارف آگاہ، شاہ ولی اللہ سرہندی، اشتیاق تخلص، نبیرہ محمد گل
از اولاد شیخ احمد سرہندی در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت، در دیش و ایش

متوکل گاہے فکر ریختہ میگرد

اس عبارت کے پڑھنے کے ساتھ مرزا لطف کی تحریر بے لطف معلوم ہونے لگی
اور دل میں کاوش پیدا ہوئی، کوئی دوسرا تذکرہ وار مصنفین میں موجود نہ تھا اسے خیال
تھا کہ کبھی لکھنؤ جانا کا اتفاق ہو تو وہاں مزید تحقیق کیجائے، چنانچہ اسی اثنائے میں لکھنؤ جانا کا
اتفاق ہوا اور جناب مولانا سید عبدالحی صاحب سے ملاقات کی اور سلسلہ سخن میں اپنا
شک و اشتباہ اُنکے سامنے پیش کیا، مولانا موصوف نے جو تاریخ ہند کے مسلم الثبوت استاد
ہیں، میرے شبہ کی تقویت کی اور یہ یقین دلایا کہ شاہ ولی اللہ اشتیاق اور حضرت شاہ
ولی اللہ مصنف حجۃ اللہ البالغہ دو شخص ہیں،

اب میں نے یہ پختہ ارادہ کیا کہ اس غلطی کے پردہ کو چاک کروں کہ اس اثنائے میں میرا
رکن و مدخلات کی حیثیت سے یورپ جانا ہوا، وہاں بھی رہ رہ کر مجھے اس ازالہ خطا کا
خیال بار بار آتا رہا، لیکن سفر کی جیلہ جوئی نے طبیعت کو آمادہ نہ کیا، ۱۰۔ اکتوبر کو جب میں
سفر سے اعظم گڑھ پہنچا تو جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کا ایک والا نامہ
موسومہ مولانا عبد السلام صاحب ندوی نظر سے گذرا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ شعر الہند
لکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ اشتیاق اور حضرت شاہ ولی اللہ مصنف حجۃ اللہ البالغہ میں تفریق
کیجئے، اس خط کو پڑھ کر مجھے خیال ہوا کہ سب سے پہلی فرصت میں اس مسئلہ کو صاف کر دینا چاہیے
اسی فکر میں تھا کہ کل ۱۴۔ اکتوبر کو مولانا شروانی کا بھیجا ہوا ایک رسالہ پہنچا جس میں جناب احسن
مارہروی کا ایک مضمون اس مسئلہ پر نظر آیا اور یہ دیکھ کر ایک طرف گو حیرت ہوئی کہ میری

ادیت کی فضیلت جناب احسن نے چھپیں لی، لیکن دوسری طرف نہایت خوشی ہوئی کہ
..... موصوف نے نہایت سنجیدگی، قنانت اور سلیقہ سے
اس مسئلہ کو بخوبی طے کر دیا ہے، اور اس میں گلشن ہند، مولانا شبلی اور میرے مضمون شائع شدہ
معارف کی تصحیح کر دی ہے، دیکھا چہ بین وہ لکھتے ہیں کہ اُنکو اس غلطی کا علم مولانا حالی مرحوم
کی تقریظاً نچانہ جاوید سے ہوا جس میں مولانا نے مصنف کی اس غلطی کی تصحیح کی ہے،
بہر حال آج جبکہ میں ان سطور کو لکھ رہا تھا مولانا شروانی کا ایک دوسرا گرامی نامہ شرف
صد در لایا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں،

”میر حسن دہلوی کا تذکرہ میرے سامنے ہے اس میں لکھا ہے :- شاہ ولی اللہ درویش
بود کمال خوبی و اخلاق، التخلص بہ اشتیاق، از اولاد مجدد الف ثانی نبیرہ شاہ محمد گل
مولد او سرہند....“

شاہ محمد گل کا اصلی نام شیخ عبد اللہ ہے، تخلص وحدت ہے، وہ صاحبزادے ہیں
حضرت غازی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے جو صاحبزادے تھے حضرت امام ربانی مجدد
الف ثانی کے (یہ نسب نامہ رسالہ شہرہ آفاق مولفہ سید نور الحسن خان سے اخذ ہے)
اس سے صاف واضح ہے کہ یہ شاہ ولی اللہ صاحب نہ تھے، میر حسن نے محدثیت
وغیرہ کی جانب مثل صاحب گلشن ہند یا بھی نہیں کیا، میرے خیال میں اس مضمون کے
بعد کسی اور مضمون کی حاجت نہیں، البتہ مولوی سید سلیمان صاحب پسند فرمائیں تو
ایک نوٹ کے ذریعہ سے معاملہ کو صاف کر دیں

یہ میرے عمل اور مولانا کے خیال میں عجیب نوار ہوا،

مصریوں کی مذہبی حالت

(۳)

از مولوی عبدلرزاق ندوی

(دیگر خرافات)

قرپرستی کی طرح اور بھی بے شمار خرافات ہیں جنکا شکار مصری ہو رہے ہیں، صرف عورتیں اور جاہل عوام الناس ہی نہیں بلکہ بہت سے تعلیم یافتہ اور وہ حضرات بھی جو اپنے کو انتہائی فخر و مباہات سے نابھان رسول میں شمار کرتے ہیں، ذیل میں بعض اہم و خرافات نمونہ

حوالہ قلم کے جاتے ہیں،

(۱) ابرو کا پٹر کرنا خوش نصیبی کی علامت ہے،

(۲) راستہ میں جنازہ کا ایک چشم کا یا احوال (ڈھیری آنکھ والا) کا لچانا شگون بد ہے،

(۳) یکشنبہ کو سفر کرنا نحوست ہے،

(۴) چہار شنبہ کو دودھ استعمال کرنا یا اسے مچھلی کے ساتھ کھانا شہید امراض کا باعث ہے،

(۵) شب میں بلی کو نہ مارنا چاہیے، کیونکہ اکثر بلیوں میں ملائکہ کی روح حلول کر جاتی ہے

جو چشمزدن میں انسان کو خاک سیاہ کر سکتی ہے،

(۶) ہر بچے کے ساتھ اسکی ایک جن بن بھی ہوتی ہے، چنانچہ جب کوئی بچہ زمین پر گر پڑتا ہے

تو اٹھانے کے قبل مان اسکا نام لیتی بسم اللہ کہتی اور پھر اسکی جن بن کا نام لیکر بسم اللہ کہتی

اور بچہ کو اٹھا لیتی ہے، کیونکہ اسکے گر پڑنے سے اسکا گناہ بھی لازم ہے، اور اگر اسکو بھی بسم اللہ

کہہ اور نام لیکر نہ اٹھایا جائیگا تو وہ اسے مار ڈالے گی،

(۷) محرم کی دسویں شب کو آسمان سے اشرفیون سے لدا ہوا گدھا اتر کر آتا ہے، اور کسی

خوش نصیب لڑکے کو مل جاتا ہے، چنانچہ والدین بچوں کو اس رات میں شب بیداری کہہ کر تہین

کر دست بد عار میں کہ یہ گدھا اُنکے گھر میں اتر آئے،

(۸) سورج گرہن میں بچوں کو تاکید کی جاتی ہے کہ خوب شور و غل کیا کریں، اور پیسے بجائیں

تاکہ آفتاب پھر نکل آئے، کیونکہ انکے نزدیک اسکی یہ کیفیت اسوقت ہوتی ہے جب فرشتے

اسے اپنی کرسمند رہیں ڈال دیتے ہیں، اور مچھلی اسے منہ میں لیکر نگلنا چاہتی ہے، لڑکوں کے

شور و غل سے وہ گھبرا کر اسے پھر اگل دیتی ہے،

(۹) ہر ماہ کے آخری چہار شنبہ کو کپڑے دھونا، یا جمعہ کو ان کا سینا نحوست ہے،

(۱۰) ہر گھر میں اسکی حفاظت کے لئے ایک سانپ مقرر ہوتا ہے جسے "عاصر البیت" (مکان کا

آباد کرنے والا) کہتے ہیں، چنانچہ جب وہ نکلے تو اسے مارنا نہیں چاہیے، کیونکہ سید رفاعی ناراض

ہو جاتے ہیں، بلکہ اسے بحفاظت تمام گرفتار کر کے "سید" کے پاس روانہ کر دینا چاہیے،

چنانچہ اسے پکڑنے کے لئے وہ لوگ تلاش کے جاتے ہیں، جنکا یہی پیشہ ہے اور جو راستوں

میں یا "رفاعی" یا "رفاعی مدد" چلاتے پھرتے ہیں، یہ کافی مزدوری لیکر سانپ کو پکڑنے اور

انہیں مقام مقصود تک پہنچا دیتے ہیں، ان لوگوں کو "احداتہ" کہتے ہیں،

(۱۱) جب بچہ بیماری کی حالت میں ناک کھانے لگتا ہے، تو یقین کر لیا جاتا ہے کہ اسکے

دماغ میں کیڑے پڑ گئے ہیں، چنانچہ انکے نکالنے کے لئے مسٹر پڑھنے والوں کو بلایا جاتا ہے

جو بازاردن میں یا "فرج" کی صدائیں لگاتے پھرتے ہیں، یہ آتے ہیں اور بچہ کے سر پر

دھن دھن پھرتے ہیں، جس سے اسکی ناک اور منہ سے چند کیڑے زمین پر آگرتے ہیں، جنہیں انکے

منتر کی تاثیر پر محمول کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ مکار کیرٹون کو مٹھی یا آستین میں چسپاے رہتی ہیں اور سر ہلاتے وقت اس صفائی سے گراتے ہیں کہ بادی النظر بین وہ ناک سے گرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں،

(۱۳) جب بچہ کالی کمانسی یا اچکی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو بجائے علاج معالجہ کے اسے کسی آبائی قصاب کے پاس لیجاتے ہیں جو اسکے گلے پر الٹی چھری پھیر دیتا ہے، انکا خیال ہے کہ اس طرح بچہ شفا یاب ہو جاتا ہے، اسی طرح جب بچہ لال بخار، تنفس یا چیچک میں مبتلا ہو تو اسے مسلسل تین ہفتہ تک "اولاد عنان" کے مزار پر لیجاتے ہیں، جہاں مجادر اسے ایک تنگ و تاریک کمرہ میں داخل کرنے اور انعام لینے کیلئے باواز بلند یہ کلمات پڑھ کر اسپر دم کرتا ہے کہ "یا بركة الطاق و یا فیہا، تشافیہ و تعافیہ، و ان کانت نفس تمنعہا، و ان کانت کافیۃ تذخیرہا، و ان کانت مشاہدۃ فلوہا، یا عسانیۃ تشفعوا لہ بالشفاء و العافیۃ تحفظہا، نک یاہ قوہا، ہات العافیۃ فی ملک اجری کلہا، مک" (ترجمہ) اسے برکت طاق کی اور جو کچھ اسپر دم ہے اسے بہلا چنگا کر دے، اگر انسانی روح ہے تو اسے منع کر دے، اگر بہوت ہے تو اسے دور کر دے، اگر بلا ہے تو اسے نکال دے، اسے عنانیہ، اسکی صحت و تندرستی کی سفارش کر، اسے... (بچہ کا نام لیکر) اٹھ، تندرستی کو اپنی آستین میں لا، اور دوڑ اپنی مان سے بائیں کر۔ اس مزار میں ایک کنواں بھی ہے جسکے متعلق عام اعتقاد یہ ہے کہ اسپر دم ایک ولیہ ست سکرہ (شکر کی بیوی) رہتی ہیں جنکے لئے اسپر دم شکر چھوڑی جاتی ہے،

(۱۴) بچہ کا نام نیچر کے دن رکھا جاتا ہے، جسکا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ تین شعبین جلائی جاتی ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ نام رکھ دیا جاتا ہے، ان میں سے جو شمع سب سے آخر تک جلتی رہتی ہے، اسی کا نام بچہ کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، یہ شمع بہت سے

چندون اور ہندق کے دانوں کے ساتھ چیلنی میں ڈال کر پٹکی جاتی ہے، ان کا خیال ہے کہ اس طرح بچہ کی عمر دراز ہو جاتی ہے،

(۱۵) "مزیرۃ" ایک چڑیل ہے جسکے جسم پر سو بیان اور کیلیبن ہوتی ہیں، یہ رات کو خوبصورت عورت کے ہمیں بین بن سنور کر نکالتی ہے اور جو شخص اسکی جانب ملتفت ہو جاتا ہے اسے چپٹ کر غائب کر لیجاتی ہے، (مگر حیرت ہے کہ اس عقیدہ کے باوجود بھی کجنت فق و فحور سے باز نہیں آتے)

(۱۶) "مارد" ایک بہوت ہے جو شب میں ظاہر ہوتا اور آدمی کو تنہا پا کر اسکے گرد ایک دیوار بنا کر اسے مقید کر دیتا ہے،

(۱۷) اسی طرح اور بہت سے آسیب مثل "سمادی" اور "مغربی" وغیرہ ہیں جو کبھی گدھے وغیرہ کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں، جو اس گدھے پر سوار ہو جاتا ہے وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور کبھی سیاہ کتے یا بلی کی صورت میں آتے ہیں کہ جسکی آنکھیں کٹورہ کی طرح بڑی بڑی اور انگارے برساتی ہیں،

(۱۸) "زار" عورتوں کا مخصوص آسیب ہے جو وقتاً فوقتاً ان پر آتا اور انہیں پریشان کرتا رہتا ہے، جب اسکا سایہ کسی عورت پر پڑ جاتا ہے تو وہ دنیا کے تمام کاموں سے بیکار ہو کر ہر ایک سے الگ ہوتی اور گہر میں قیامت برپا کر دیتی ہے، چنانچہ آسیب اتارنی والی عورتیں بلائی جاتی ہیں جو عورت کو خوب بنا چنا کر اپنے مکان لیجاتی یا اسی کے ہاں کسی تنہا کمرہ میں اسے بٹھا دیتی ہیں اور اسکے سامنے خوشبو سلگا کر ڈھول بجانا اور کچھ گانا شروع کرتی ہیں جس سے وہ مست ہو کر رقص کرنے لگتی، اور لمبا اوقات بالکل برہنہ ہو جاتی ہے، چنانچہ میں نے خود ایک عورت کو از سر تا پا برہنہ ناچتے ہوئے دیکھا تھا، مصری اس زار سے بہت خوفزدہ

رہتے ہیں کیونکہ جہاں ایک مرتبہ اسکا پرچہ ادا ان عورت پر پڑ گیا وہ شوہر کے ہاتھ سے گویا نکل گئی، واقعہ یہ ہے کہ یہ آسیب خود عورت کے نفس کا آسیب ہوتا ہے، جو اس پر اپنے اصلی شوہر سے نفرت کرنے اور کسی دوسرے سے محبت کر نیکی وجہ سے سوار ہو جایا کرتا ہے، کردہ مذکورہ بالا عورتوں کے ذریعہ سے اپنے دلبر تک باسانی پہنچ جایا کرتی ہے،

(۱۸) ان بیوتوں اور دیگر ارضی و سماوی بلاؤں سے محفوظ رہنے کے لئے طح کے گزرتے اور تعویذ استعمال کئے جاتے ہیں، اور قسم قسم کی دعائیں پڑھی جاتی ہیں، یا گلاب اور زعفران سے کسی برتن پر لکھ دیا جاتی ہیں، جہین پانی پیا جاتا ہے، چنانچہ بعد نماز فجر یہ دعا پڑھی جاتی ہے یا کثشطیلوش، یا کثشطیلوش! اُقنی و اقم صورتی و خاتی و وجھی عندک و عند خلقت! آمین یا ارحم الراحمین!

اسی طرح چیونٹیوں کے دور کرنے کے لئے یہ دعا سبز پتوں پر لکھی جاتی ہے، اُطلع الرب فظفر، والعیوب فستر، والذی ذنبه فغفر، ارحل النمل کما رحلت الرحمة عن شیوخ القری الذین باعوا الحنف بالقم ایاعنیہ منہ نماز (۱۹) جس اونٹ کے منہ سے کف بہت خارج ہوتا ہے، اسے بھی دلی سمجھنے اور اسکی بڑی آہستہ کرتے ہیں،

(۲۰) محل مصری کا شمار بھی اولیائے کرام کے زمرہ میں ہے،

(۲۱) بڑے بڑے قدیم درختوں کی "ولایت" کے بڑی عزت ہوتی ہے، انکا عرس کیا جاتا ہے، اور نام کے بجائے انہیں تعظیماً سیدی اربعین، کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ جامع حنفی میں اس قسم کا ایک درخت موجود ہے جسے "شیخہ خضرہ" (سبز بڑی بی) کہتے ہیں، اسکی از حد تعظیم و تکریم ہوتی ہے اور زائر و دور در سے آئے اور اسکے تنہ میں اپنی نشانیاں کیلون کے ذریعہ سے دکھا دیتے ہیں کہ "شیخہ خضرہ" انہیں یاد رکھیں اور آڑے وقت میں کام آئیں،

(۲۲) اسی مسجد میں ایک کنواں بھی ہے، جسے اس خیال سے بہت متبرک سمجھا جاتا ہے کہ اسکا سوت "چاہ زمزم" سے منسلک ہے، چنانچہ مشہور ہے کہ کسی مصری حاجی کا کٹورہ چاہ زمزم میں گر گیا تھا جو مصر واپس ہونے پر اس کنوین سے اسے دستیاب ہوا،

(۲۳) قاہرہ میں ایک مشہور معروف پہاڑ ہے جسے "باب المتولی" کہتے ہیں، اس کی زیارت کو ہزار ہا مرد اور عورتیں روزانہ آتیں، منیتن مانیتن اور چلتے وقت یا دودھانی کیلئے اسکی کیلون اور کندون میں کپڑوں کی چٹین یا بالون کی لٹین آویزان کرتی جاتی ہیں،

(۲۴) قاہرہ کے قلعہ میں ایک عظیم الشان کنواں ہے جو اس اعتقاد کی بنا پر مرجع خلافتی ہو رہا کہ اس میں حضرت یوسف قید کئے گئے تھے، چنانچہ روزانہ بچا سون عورتیں اولاد طلب کر نیکی کے اسکی نہ تک جاتی ہیں جہین سے اکثر کی مراد پوری بھی ہو جاتی ہے، حضرت یوسف کی برکت سے بہنیں بلکہ نفس انسانی کی خیانت کی بدولت جو اس تیرہ دن کا ایک مقام میں خوب گل کھلتی ہے، نعوذ باللہ من الخبث والنجاست،

قطع نظر تمام باتوں کے اگر تاریخ کے آئینہ میں دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس کنوین کا حضرت یوسف سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ قاہرہ تو ایک ہزار سال سے آباد ہوا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں وہاں پر کسی آبادی ہو نیکا قطعاً پتہ نہیں چلتا، اسوقت تو مصر کا پائے تخت "منقش" تھا جو قاہرہ سے بہت دور دریائے نیل کے دوسری جانب واقع تھا، اس کنوین کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے قلعہ میں پہاڑ تراش کر اس غرض سے بنایا تھا کہ بوقت ضرورت اس میں پانی جمع کیا جاسکے، چنانچہ اب تک وہ دیوار میں موجود ہیں جہکے اوپر کی ٹالیوں میں سے نیل کا پانی اس کنوین تک پہنچا کرتا تھا لیکن براہ ہجالت کا جو انسان کو اندھا بہرا اور گونگا کر دیتی ہے،

ان خرافات اور مشرکانہ خیالات کے علاوہ ”عملیات اور کیمیا“ کے خطہ میں ہندوؤں کی طرح مصری بھی مبتلا ہیں، چنانچہ ہنن معلوم کتے گہرائوں کو اس منحوس کیمیا نے نان نشینہ کو محتاج کر دیا، بخوم اور رمل کا بھی بڑا چرچا ہے اور ہندوستان سے کہیں زیادہ ہی چنانچہ سرکون پر صد ہا مرد اور عورتیں رخ ریت اور تاش کے پتے لئے بیٹھی رہتی ہیں، جبکہ گرد مردوزن کا مجمع اپنی پوٹی ہوئی قسموں کا حال دریافت کرتا ہوتا ہے، ان بد بختوں سے بخومیوں کو بڑی آمدنی ہوتی ہے، چنانچہ ایک پنجابی بخومی اسمبیل نامی کا بازار خوب چرکا ہوا ہے، بڑے بڑے لوگ اسکی طرف رجوع کرتے اور دل کھول کر اسے ردیہ دیتے ہیں، دائری، مصریوں کی مذہبی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے دائری کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ کہنا ضرور ہے کیونکہ ہندوستان میں اسے غیر معمولی اہمیت دیجانی ہے جو ایک حد تک بجا بھی ہے، ہندوستانی مسلمان یہ معلوم کر کے سخت متعجب ہونگے کہ جس دائری کو وہ اسلام کی علامت سمجھتے ہیں اسے مصری یودیت کا طرہ امتیاز سمجھتے ہیں، مصر میں بہت کم لوگ دائری رکھتے ہیں، کیونکہ وہ جسکے چہرہ پر ہوتی ہے اسپر یودیت کا شبہ کیا جاتا ہے، چنانچہ خود مجھ پر اس قسم کا ایک حادثہ گذر چکا ہے، اول اول جب میں مصر پہنچا تو اوقت گرچہ کم سنی کی وجہ سے میری دائری محض برائے نام تھی مگر جو کچھ تھی وہ بلا کم و کاست چہرہ پر موجود تھی، ایک روز میں مسجد میں بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ ایک مصری نے حیرت کے ساتھ مجھے دیکھ کر سوال کیا کہ کیا تم مسلمان ہو؟ میں نے درشت لہجہ میں جواب دیا کہ کیا مصر میں کافر بھی نماز پڑھنے مسجد میں آتے ہیں، اسپر وہ شرمندہ ہو کر معذرت کرنے لگا، کہ مجھے کچھ اور شبہ ہوا تھا، میں نے کہا کہ ”ایسے شخص کے مذہب کے متعلق کیونکر شبہ ہو سکتا ہے جو مسجد کے اندر وضو کر رہا ہو؟“ اسپر اس نے میری دائری کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ ”اس سے“

میں نے کہا ”چہ خوش یہ کیونکر؟“ اس نے جواب دیا کہ یہاں مصر میں عموماً یہودی ہی دائری رکھتے ہیں، اسلئے ہمیں ہر دائری والے پر یہودیت کا شبہ ہوتا ہے، اسی طرح جب دوران جنگ میں ہندوستانی فوجیں مصر پہنچیں تو سکھوں اور صاحب ریش مسلمانوں کو دیکھ کر مصری بڑے تعجب سے کہتے تھے کہ ہندوستان میں یہودیوں کی بڑی کثرت ہے اور دیکھو تو وہ کیسے شجاع معلوم ہوتے ہیں، لیکن دائری منڈے ہندوؤں کو مسلمان سمجھ کر انکی عزت کرتے اور بڑے تپاک سے ”السلام علیکم“ کہہ کر مصافحہ کرتے مگر جب انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں تو انہیں گالیاں دیتے اور ان پر سنگباری کرتے!

چونکہ مصر میں دائری رکھنے کا رواج نہیں ہے اسلئے حجام بھی اسکے تراشنے اور درست کرنے میں ماہر نہیں ہوتے اور عموماً اسے خراب کر دیتے ہیں، اس خیال سے میں یہ خدمت خود ہی انجام دے لیا کرنا تھا،

مسلمانوں کا دین تنزل ختم ہو گیا

از

از مولوی محمد سعید انصاری رفیق دارالصفین

انحطاط و تنزل بالکل طبعی چیز ہے، اور

”طبعی چیزیں کبھی متغیر نہیں ہوتیں، اسلئے زوال و انحطاط بھی وہ مزمن مرض ہے جسکی نہ دوا ہو سکتی، اور نہ وہ ذلیل ہو سکتا۔“

لیکن وہ جس طرح افراد کے مزاج پر اثر ڈالتا ہے، اسی طرح قوم کا مزاج بھی اس سے متاثر ہوتا ہے، دنیا میں جس طرح افراد پیدا ہو کر پلتے، بڑھتے، نشوونما پاتے، اور پھر جوان ہو کر بوڑھے ہو جاتے ہیں، بعینہ اسی طرح قوموں کے شباب، اکولت، اور شیخوخت کا بھی ایک زمانہ ہوتا ہے جس میں انکے مزاج کے عناصر متغیر ہوتے رہتے ہیں اور چونکہ

”مزاج ہی کا نام روح ہے، اسلئے لامحالہ تمام ظاہری اور باطنی اخلاق اسکے تابع ہوتے ہیں“

جنکو دیکھ کر قومی مزاج کے تمام تغیرات و انقلابات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، لیکن یہ مزاج جو عناصر کی ترکیب سے پیدا ہوتا ہے، اسکے علاوہ ہر قوم کا ایک عقلی مزاج بھی ہوتا ہے جو اسکی ساری حقیقی ماحض ہوتا ہے، اور حقیقت زوال و انحطاط کے آثار اسی پر طاری ہوتے ہیں لیکن یہ تنزل و تقسم کا ہوتا ہے، طبعی اور غیر طبعی، طبعی تنزل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قوم کے

۱۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۳۳، ۲۔ کتاب سیاست فی علم الفرائض،

تمام اساسی اخلاق تدریجی طور پر فنا ہوتے ہیں، بخلاف اسکے غیر طبعی تنزل میں ان پر دفعۃً زوال طاری ہو جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کا مزاج عقلی چند دنوں میں نہیں پیدا ہوتا بلکہ اسکا خمیر سیکڑوں برس کے بعد پختہ ہوتا ہے، اور اس درمیان میں قوم اپنی طفولیت، حداشت، بلوغ، شباب، رجولیت، اور سن متوسط کے تمام مراحل طے کر لیتی ہے، اسی طرح اسپر زوال و فنا بھی دفعۃً طاری نہیں ہوتا، بلکہ تدریجاً طاری ہوتا ہے، جسکی وجہ سے قوم سن اکولت، اہبوط، شیخوخت اولی، شیخوخت ثانیہ، هرم اور اپنی عمر کے تمام آخری مراحل سے گزر جاتی ہے اور جب اس کے مزاج کی عمر طبعی ختم ہو جاتی ہے تو اسپر زوال آ جاتا ہے جس سے قوم ہمیشہ کے لئے پردہ عدم میں چھپ جاتی ہے، لیکن یہ مزاج عقلی کے تنزل کی طبعی صورت ہے، اسلئے وہ قوم سب سے زیادہ تمدن اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہے،

”جسکے اساسی اصول کے فنا، و بقا کی مدت میں اتحاد ہو یعنی جتنے دنوں تک وہ قائم رہے ہیں اتنے ہی دنوں میں وہ فنا بھی ہوں“

لیکن جن قوموں کی ترقی و تنزل کے زمانہ میں اتحاد نہیں پایا جاتا وہ بہت جلد فنا ہو جاتی ہیں اور ان کا تاریخ نبین صرف نام ہی نام باقی رہ جاتا ہے،

یہ نہایت عجیب بات ہے کہ دنیا کی تمام قومیں غیر طبعی موت کا شکار ہوئی ہیں اور انکو اس خوش قسمتی کا موقع نہیں ملا ہے، کیونکہ عالم کائنات کا ایک فطری قانون یہ ہے کہ ایک جسم کے بیدار کرنے کے لئے جس قدر زمانہ درکار ہے اسکے فنا ہونے کے لئے اُس سے بہت کم زمانہ کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ جو عضو اپنے عمل کو چھوڑ دیتا ہے اسکی قابلیت

۱۔ انقلاب الامم صفحہ ۱۱۶

اسی وقت معدوم ہو جاتی ہے ۱۱

اسی بنا پر قوم کے تمام اخلاقی محاسن مثلاً جرات، شجاعت، عزم و ارادہ، قوت و استقامت اگرچہ بہت دنوں میں پیدا ہوتے ہیں تاہم جب وہ اپنا محل استعمال نہیں پاتے تو نہایت سرعت کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں اور چونکہ قوم کے تمام تمدنی مظاہر کی بنیاد انہیں قائم ہوتی ہے، اسلئے جب کبھی ان میں تغیر پیدا ہوتا ہے تو دفعۃً تمدنی تاریخ کی عمارت بھی منہدم ہو جاتی ہے،

لیکن یہ یکید اسلام کی تاریخ میں غلط ٹھہرتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کے اساسی اصول جتنے عرصہ تک قائم رہے ہیں، اتنے ہی دنوں میں ان پر زوال بھی طاری ہوا ہے اور اسلئے مسلمانوں کی خوش قسمتی میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ تاہم چونکہ یہ ایک اہم تمدنی نظریہ اسلئے ہم اس پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں،

تمدنی تاریخ کے علماء میں علامہ ابن خلدون اور ڈاکٹر لیبان نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اسکا اصلی مرجع قوم اور سلطنت ہے، اس بنا پر یہ کلیہ بھی انہیں دونوں چیزوں پر صادق آسکتا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر قوم اور ہر سلطنت کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے جس میں وہ بڑھتی ہے، نشوونما پاتی ہے، عروج حاصل کرتی ہے، اور پھر اپنی ترقی کا دور ختم کر کے اوج رفعت سے حسیض مذلت میں گر جاتی ہے، لیکن اسلام کسی قبیلہ یا قومیت کا نام نہیں ہے اسلئے اس نے اپنے متبعین کو قومی اور نسلی امتیازات سے الگ کر رکھا ہے اور سعادت دنیوی کے حامل کو نیک مدار قومی عصیت یا نسبی شرافت کے بجائے اعمال صالحہ کو شہرایا ہے، اس بنا پر اسکے چہرے کے نیچے مختلف قومیت، مختلف جنسیت اور مختلف قبائل کے لوگ جمع

۱۱ انقلاب الاسلام صفحہ ۴۴

ہوئے ہیں، جنہوں نے مختلف زمانوں میں عروج حاصل کیا ہے، اسلئے اگرچہ انفرادی حیثیت سے یہ قانون ہر قوم اور ہر سلطنت پر منطبق ہو سکتا ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے اسکا کوئی اثر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس وقت یہ تمام حلقے مل کر ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہیں جو قانون قدرت کے تودنے سے ٹوٹ نہیں سکتی،

بہر حال مسلمانوں کا متحدہ مزاج عقلی قانون قدرت کی حکومت سے بالکل آزاد ہے، اسلئے وہ جس طرح تدریجی طور پر پیدا ہوا تھا، اسی طرح بتدریج فنا بھی ہوا ہے، اور یہ وہ خیال ہے جسکی تائید میں تاریخ اسلام کے ہزاروں صفحات پیش کئے جاسکتے ہیں، لیکن قبل اسکے کہ ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوں ہم کو تاریخ طبعی کی روشنی میں حیات انسانی کے تمام تغیرات و انقلابات کا مطالعہ کر لینا چاہیے،

۱۱ علماء طبیعیین نے حیات انسانی کے تیرہ دور قائم کئے ہیں جن میں انسان کے قواسط طبعیہ اور عقلیہ پر مختلف قسم کے تغیرات طاری ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) حیات انسانی کا پہلا دور زمانہ طفولیت سے شروع ہوتا ہے، اس سن میں انسان کو صرف رنج و غم اور ضرورت کا احساس ہوتا ہے، اس میں رغبت و ارادہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، چیزوں پر حکم لگانے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے، اور اس دور کے اختتام تک اسکو ہر شے کا احساس ہونے لگتا ہے،

(۲) دوسرے دور میں جسکو سن حد اشد کہتے ہیں، انسان کے دل میں امیدیں پیدا ہوتی ہیں وہ اپنے مستقبل کی نسبت ایک رائے قائم کر سکتا ہے اور اسکے تمام عقلی خصوصیات اور حواس نشوونما پاتے ہیں،

(۳) سن بلوغ میں جو انسان کی زندگی کا تیسرا دور ہے غرور اور امید پیدا ہوتی ہے،

اس زمانہ میں وہ محبت ذات، بے پردائی، غرور اور آزادی کو پسند کرتا ہے، لیکن جب یہ چیزیں حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتی ہیں تو مناسب بنکر اسکی جسمانی اور اخلاقی زندگی کو برباد کر دیتی ہیں،

(۴) سن شباب میں جو حیات انسانی کا چوتھا درجہ ہے، عشق، لذت، طیش، شجاعت اور عدم استقلال کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور چونکہ اس سن میں انسان پر عشق اور لذت کا غلبہ ہوتا ہے، اسلئے وہ صرف انہیں چیزوں کے اسباب ہتیا کرنے میں مصروف رہتا ہے، (۵) سن جوانیت میں انسان کو طبع و انگیر ہوتی ہے، اور ترقی کر نیکا خیال پیدا ہوتا ہے، یہ سن طبعی اور عقلی عیش و مسرت کا زمانہ ہوتا ہے، اسلئے اس میں انسان کی جسمانی حالت نہایت بہتر ہوتی ہے، اس پر ہمہ وقت ایک نشاط چھایا رہتا ہے، اور اسکی عقل کامل ہو جاتی ہے، اسی سن میں اسکو آفات زمانہ سے محفوظ رہنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی مدافعت کا پورا سامان کرتا ہے،

(۶) سن متوسط میں جسکو شباب ثانی بھی کہتے ہیں، انسان میں ثبات اور استقلال پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس زمانہ میں اس کے تمام قواسم جسمانیہ و عقلیہ اپنی نشوونما کے انتہائی مدارج طے کر لیتے ہیں، اسلئے اب اسکو ردیہ جمع کرنیکی فکر ہوتی ہے، وہ فخر کو پسند کرتا ہے اور اپنی عزت و عظمت کی ترقی کے لئے کوشش کرتا ہے، اس عمر میں اسکی تمام امیدیں ذاتی عمل سے وابستہ ہوتی ہیں، اور چونکہ وہ سوسائٹی میں معزز ہو کر رہنا چاہتا ہے، اسلئے رات دن اسی دہن میں لگا رہتا ہے اور اس کے لئے گھر بار، اہل و عیال، ساز و سامان غرض کسی چیز کی بھی پروا نہیں کرتا،

(۷) سن کہولت میں انسان پر عقل و فہم اور حکمت و دانش کا اثر غالب ہوتا ہے اور وہ

سن متوسط میں اپنی محنت و مشقت سے جو ردیہ پیدا کرتا ہے، اس سے اس سن میں فائدہ اٹھاتا ہے، کیونکہ اب اس کے مزاج میں عیش پسندی آ جاتی ہے،

(۸) سن بیوط میں انسان زیادہ آرام طلب ہو جاتا ہے، اس میں تدبیر و فکر کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں، اسلئے اس کے تمام کاموں میں حزم، احتیاط اور پختگی پائی جاتی ہے، لیکن اس کے قواسم جسمانی اور عقلی میں انحطاط شروع ہوتا ہے، اسکا جسم سرد پڑ جاتا اور اس کا احساس کم ہو جاتا ہے،

(۹) شیوخیت کے دور اول میں انسان پر تکلیف، حسرت، اور رنج و غم غالب آتے ہیں، کیونکہ اس کے قوی کمزور ہو جاتے ہیں، اسکا دل انسرودہ ہو جاتا ہے، اس کے بال سفید ہو جاتے اور دانت گر جاتے ہیں، اور اس سے نشاط کلیتہً معدوم ہو جاتا ہے، اسلئے اسکی آنکھوں میں ہر وقت موت کی تصویر پرتی رہتی ہے،

(۱۰) شیوخیت کے دور ثانی میں ضعف بڑھتا اور تکلیف زیادہ ہو جاتی ہے، جس سے انسان ہر وقت غصہ بنا کر رہتا ہے، اور وہ اپنے احکام کی تعمیل فوراً کرنا چاہتا ہے، ایسے ہمیشوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے مزاج کے مطابق ہوں اور اسکی ہر رائے سے متفق ہوتی ہوں، اس میں حسد و غیرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جس سے وہ نوجوانوں کو لہو و لعب اور چینی و چالاک کے کام کرتے ہوئے دیکھ نہیں سکتا، اس کے عقلی خصوصیات روز بروز فنا ہوتے جاتے ہیں اور اس کے طبعی فرائض میں غبی خلل واقع ہوتا ہے،

(۱۱) سن هرم میں انسان کا ضعف اور بڑھ جاتا ہے، اسکو کان سے ادنیٰ سنائی دیتا ہے اور آنکھ سے صاف طور پر دیکھائی نہیں دیتا، اسلئے اس میں سورن پیدا ہوتا ہے اور وہ عمر بھر دیکھنے کسی پر اعتماد نہیں کرتا، اس میں محبت ذات پیدا ہو جاتی ہے، جس سے وہ اپنی واقعات

مبالغہ آمیز طور پر بیان کرتا ہے،

(۱۲) سن ہرم کے بعد ایک اور زمانہ آتا ہے جس کا نام سن تمد و الاجل ہے، اس میں انسان زمانہ طفولیت کی طرف عود کرتا ہے، اس میں بچوں کے سے خواص پیدا ہو جاتے ہیں، اور اسکو اپنے جذبات پر قابو نہیں رہتا، اس زمانہ میں اس کے حواس بالکل جواب دیدیتے ہیں، اسکی آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں، اس کے کان صرف دہاکون کو سنتے ہیں، اور اسکی عقلی زندگی بالکل مردہ ہو جاتی ہے، اسلئے وہ انسانی زندگی کے حدود سے نکل کر نباتی زندگی کے حدود میں داخل ہو جاتا ہے،

(۱۳) اس کے بعد حیات انسانی کا آخری دور ہے، جو سن مکنی کہلاتا ہے، یہ انسان پر شاہ و نادر آتا ہے، اس میں آدمی بالکل اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے، اسکی قوت لامہ، شامہ اور الذقہ بالکل معدوم ہو جاتی ہیں اور اسپرطی اور دماغی حیثیت سے عدم طاری ہو جاتا ہے،

لیکن یہ تمام دور صرف افراد ہی پر طاری نہیں ہوتے بلکہ قوموں پر بھی طاری ہوتے ہیں اور انکا قوم کی زندگی پر ہی اثر پڑتا ہے جو افراد کی زندگی پر پڑتا ہے، چنانچہ آغاز اسلام میں جب مسلمانوں کی طفولیت کا زمانہ تھا وہ صرف رنج و غم اور ضرورت کا احساس کر سکتے تھے، صحیح بخاری میں حضرت خبابؓ کی جو شکایات مروی ہیں وہ اسی کی موبد ہیں، اور حضرت بلال، عمار، اور صہیب وغیرہ کے واقعات بھی اسی کی تائید کرتے ہیں، اسی زمانہ میں مسلمانوں کو اشاعت اسلام کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ نے چند اشخاص کو خفیہ طور پر سلمان کیا، لیکن تین برس کے بعد جب مسلمانوں کو اپنی قلت اور کمزوری کا احساس ہوا تو وہ اسلام کی دعوت علانیہ طور پر دینے لگے، اس دور کے بعد اسلام کا سن حدیث

۱۰ انسان کی تاریخ طبعی مولفہ موسیو ڈی صفو ۱۴۲۵ھ تا ۱۴۲۶ھ،

شروع ہوا جب میں امیدین پیدا ہوئیں اور مسلمانوں نے اعلان دعوت کے اثرات کو دیکھ کر اپنے مستقبل کی نسبت رائے قائم کی، اسلئے اگرچہ اسوقت تک انکو بہت زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی تاہم جب کفار قریش نے ابوطالب سے انحضرت کی شکایت کی اور انھوں نے آپکو بت پرستی سے باز رکھنا چاہا تو آپ نے صاف جواب دیا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لاکر دیدیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا، اس کے بعد تیسرا دور شروع ہوا جو اسلام کے سن بلوغ کا زمانہ ہے، اور اسکی ابتداء ہجرت حبشہ سے ہوئی، قریش کی سخت مزاحمتوں کے باوجود اسلام کے دائرہ میں جودعت پیدا ہو گئی تھی اس نے مسلمانوں کو اپنی کامیابی کا یقین دلادیا تھا، اسلئے وہ باہم ایک دوسرے کے سخت ہمدرد ہو گئے تھے، اور قریش کے مظالم کو حقارت اور بے پروائی کی نظر سے دیکھتے تھے، اور چونکہ اسوقت ان میں قریش کی جابرانہ حکومت سے آزاد ہونیکا خیال پیدا ہو گیا تھا، اسلئے انھوں نے دوبار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جناب رسالت پناہ نے اشاعت اسلام کی غرض سے طائف کا سفر اختیار فرمایا، اس کے علاوہ حج کے موسم میں جو قبائل عرب کے تمام صوبوں سے آکر مکہ میں جمع ہوتے تھے، آپ انکے خیموں میں جا کر اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے، تاکہ ان کا ملک مسلمانوں کا دارالہجرت ہو، اب اسلام کا چوتھا دور شروع ہوا جو اسکا عہد شباب ہے، کفار کے مظالم برداشت کرنے اور اسلام پر قائم رہنے سے مسلمانوں کو جو لذت حاصل ہوئی تھی اسکا یہ اثر تھا کہ بہت سے صحابہ نے ہجرت حبشہ پر مکہ کی اقامت کو ترجیح دی، اور اپنی توجہ کو تمام اشاعت اسلام کی طرف مبذول کر دیا، اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ جب انصار ایمان لائے اور مدینہ دارالہجرت قرار پایا تو مسلمانوں پر

۱۰ سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۸۹

کامیابیوں کا دروازہ کھل گیا، کیونکہ اب انکو اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے اور کفار سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تھا، اور چونکہ وہ کفار کے ظلم و ستم سے عاجز آگئے تھے، اسلئے جب غزوہ بدر میں ان کا مقابلہ ہوا تو مسلمانوں نے اس جوش سے جنگ کی کہ ۹۰۰ کفار صرف ۳۰۰ آدمیوں سے شکست کھا گئے، غزوہ بدر کے بعد اور بھی متعدد غزوات پیش آئے جن میں کفار کو شکست ہوئی اور صرف نو برس کی قلیل مدت میں تمام عرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اسکے بعد وہ اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوئے اور باقاعدہ اشاعت اسلام کا کام شروع کیا، جس سے آنحضرت کی وفات تک تمام عرب مسلمان ہو گیا، لیکن باہرین چونکہ یہ مسلمانوں کے خباب کا زمانہ تھا، اسلئے عدم استقلال کی بھی بعض مثالیں ملتی ہیں، مثلاً غزوہ احد میں آنحضرت شہر کے اندر رہ کر کفار کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے، لیکن بعض پر جوش نوجوانوں نے باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا اور چونکہ کثرت انہیں کو حاصل تھی اسلئے آپ نے انکی تائید فرمائی،

اسکے بعد پانچواں دور شروع ہوا اور اسکی ابتداء خلافت فاروقی سے ہوئی، اس زمانہ میں مسلمانوں کو ملک گیری کا خیال پیدا ہوا، اور انکو ترقی کرنیکی خواہش ہوئی، یہ زمانہ حقیقت اسلام کا سن رجولیت تھا، جس میں طبعی اور عقلی عیش و مسرت کی جہلک نظر آتی تھی، کیونکہ اب مسلمان جسمانی اور دماغی دونوں حیثیتوں سے مکمل ہو گئے تھے، وہ نہایت قوی، متوہم اور بلند بالا ہوتے تھے، انکے نفوس میں ہر وقت ایک نشاط پایا جاتا تھا، انکے خیالات بلند ہو گئے تھے، اور ان میں علوم و فنون کا عام رواج ہو گیا تھا، اسلئے وہ آفات زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، اور جو چیزیں انکی ترقی میں سد راہ ہوتی تھیں انکو ہٹا دیتے تھے،

لیکن چونکہ اس زمانہ میں انسان پر حرص و طمع کا غلبہ ہوتا ہے، اسلئے اسلام میں اسکا یہ منظر نظر آیا کہ خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ میں امیر معاویہ مدعی خلافت ہوئے، جبکہ دعوی خلافت سے اسلام کا چہرہ دور شروع ہوا، یہ اسکا سن متوسط یا شباب ثانی تھا، جس میں مسلمانوں میں استقلال اور ثبات پیدا ہو گیا تھا، کیونکہ اب انکی تمام جسمانی اور دماغی قوتیں انتہا تک پہنچ چکی تھیں، اور وہ مال و دولت کے جمع کرنیکی طرف مائل ہو گئے تھے، چنانچہ خود صحابہ میں اس قسم کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا، جسکی مخالفت میں حضرت ابوذر غفاری نے انتہائی کوششیں کی مہین جو ناکامیاب رہیں، بہر حال اقتضائے سن کے مطابق اس زمانہ میں مسلمانوں کی امیدوں کا دار و مدار عمل ذاتی پر تھا، وہ فخر و مباہات کو پسند کرتے تھے، اور ان میں سوسائٹی میں امتیاز حاصل کرنیکا خیال پیدا ہو گیا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر و دراز مقامات میں نکل جاتے تھے، جہاں انکو صرف اپنے مقاصد کے حاصل کرنیکی فکر رہنی تھی، چنانچہ سلطنت بنو امیہ جو نصف صدی کے اندر اندر سترہ اور ترکستان سے لیکر افریقہ اور اسپین تک پھیل گئی تھی، انہیں کوششوں کا نتیجہ تھی، لیکن ان عظیم الشان فتوحات کے باوجود بنو امیہ میں سلطنت اور جاہ و عظمت کی حرص زیادہ ہوتی گئی، جس سے اسلام کا ساتھ ان دور شروع ہو گیا، جو اسکے کہولت کا زمانہ ہے، اب خلافت کے تخت پر بنو عباس متمکن ہوئے، جبکہ زمانہ میں یہ خیال پیدا ہوا، کہ جو مالک مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے ہیں ان پر مستحکم طور پر قبضہ کیا جائے، اور ان سے نفع اٹھایا جائے، اس خیال نے مسلمانوں کو عیش پسند اور کاہل بنا دیا، اور انکی فتوحات و فتہ رگ گئیں، یہی وجہ ہے کہ سلطنت عباسیہ کے حدود کبھی سلطنت بنو امیہ سے زیادہ وسیع نہیں ہوئے، اسکے علاوہ انکے مزاج کے عناصر میں حکمت اور نقل کا غلبہ ہو گیا تھا، اور جب کسی قوم کے

مزاج میں تغفل کا عنصر غالب ہو جاتا ہے، تو اسکے اساسی اخلاق میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے جس سے اسکی ترقی رک جاتی ہے، اسکے بعد آٹھواں دور شروع ہوا جو اسلام کا سن ہوا ہے اس میں مسلمانوں میں غور و فکر کا غلبہ ہوا، وہ فکر اور تدبیر کے عادی ہو گئے، اور انکی آرام طلبی اور عیش پسندی بڑھ گئی، اس زمانہ میں اگرچہ انکے ہر کام میں حزم، اعتیاد اور پختگی پیدا ہو گئی تھی تاہم چونکہ وہ تازہ نعمت کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے تھے، اسلئے انکے فوجی جذبات میں تنزل شروع ہوا، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دور میں علوم و فنون کو جب قدر ترقی ہوئی کبھی بہین ہوئی تھی، اسی زمانہ میں وہ بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے جنکے غلغلہ سے آج تمام دنیا گونج رہی ہے، تاہم ممالک اسلامیہ کے حدود میں کسی جدید ملک کا اضافہ نہ ہوا، اسوقت تمام دنیا سے اسلام پر ترک قابض تھے، جنکی چھوٹی چھوٹی حکومتیں ہر جگہ قائم تھیں، اور چین اتحاد و یکجہتی کا احساس باقی بہین رہا تھا، یہ تمام اسباب ایسے تھے جن سے خود بخود دین دور کا آغاز ہوا، یعنی اسلام پر شیخو جیت کا پہلا دور آیا، جس نے مسلمانوں کے دماغ کو تکلیف، درد، رنج و غم، اور یاس و حسرت سے لبریز کر دیا، یہ آٹھویں صدی ہجری کا زمانہ تھا جسکی علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں شکایت کی ہے کیونکہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے تو اسے جسمانیہ اور عقلیہ پر انحطاط طاری ہو گیا تھا، ان کے اعضا سے جسمانی کمزوری ہو چکے تھے، ان کا دل افسردہ ہو چکا تھا، اور ان سے نشاط اور ہمت فنا ہو چکی تھی، اور یہ تمام چیزیں انکو موت کی دہلی دے رہی تھیں،

اسکے بعد دسواں دور شروع ہوا جو اسلام کی شیخوخت ثانیہ کا زمانہ ہے، اس میں مسلمانوں کا ضعف زیادہ بڑھا، اور انکی اخلاقی حالت اسقدر تباہ ہو گئی کہ اسکو دیکھ کر شاہ ولی اللہ صاحب کی آنکھ سے خون کے آنسو جاری ہو گئے ہیں، جن سے فوز الکبیر کا ہر صفحہ

ایک لالہ زار بن گیا ہے، اسی زمانہ میں مسلمانوں کی بہت سی سلطنتیں انکے قبضہ سے نکل گئیں، جسکی وجہ یہ تھی کہ انکے مزاج میں حسد کے ساتھ ساتھ غصہ بھی پیدا ہو گیا تھا اسلئے اغیار کو ان سے فائدہ حاصل کر بیکا موقع ملا، اور انھوں نے مسلمانوں کے مزاج کو اپنے موافق بنا کر در اندازی شروع کی، جس سے مسلمانوں میں لفاق پیدا ہوا، اور ہر صوبے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی، اسکا یہ اثر ہوا کہ ممالک اسلامیہ میں اغیار کے قدم نہایت مضبوطی کے ساتھ جم گئے، اور چونکہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی عقلی خصوصیات فنا ہو گئی تھیں اسلئے کسی کو احساس تک نہ ہوا، اور وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہے، ان چیزوں نے انکے ضعف کو اور بڑھایا، اور اب اسلام کا گیارہواں دور شروع ہوا جو اسکا سن ہر م ہے اس دور میں مسلمان بہت زیادہ کمزور ہو گئے تھے اور چونکہ وہ اپنے سرایہ ہوش و حواس کو ضائع کر چکے تھے اسلئے ان میں بدظنی کا مرض پیدا ہو گیا، اور وہ بیگانوں کی طرح یگانوں سے بھی سو رطن رکھنے لگے، ان میں محبت ذات نہایت شدت کے ساتھ ترقی کر گئی، اور وہ صرف اپنے کارنامے بالذات میں طریقہ سے بیان کرنے لگے، ان باتوں نے انکو ایک دوسرے دور میں پہنچایا جو اسلام کا بارہواں دور ہے، اس دور میں مسلمان ہر چیز سے بے پروا ہو گئے، انکی بصیرت کی آنکھیں بے نور ہو گئیں اور انکے کانوں سے صدائے حق کے امتیاز کی قابلیت مفقود ہو گئی، اسلئے اب وہ ہر آواز کے سننے کی طاقت بہین رکھتے تھے، انکو صرف بادل کی گرج اور برق و صاعقہ کی کڑک ہی اپنی جانب متوجہ کر سکتی تھی۔

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ مسلمانوں کی ترقی و تنزل انکے مزاج عقلی کے تغیرات کا نتیجہ ہے، اور انکے فنا اور بقا کی مدت میں پورا پورا اتحاد پایا جاتا ہے کیونکہ انکی ترقی کا زمانہ ساتویں صدی میں ختم ہو گیا تھا، اور آج انکا تنزل بھی چودھویں صدی میں ختم ہو رہا ہے، اسلئے تاریخی حیثیت سے مسلمان نہایت خوش قسمت قوم ہے،

تَلْخِصٌ مِّن تَلْخِصٍ

روح کی حقیقت

رقمزدہ پروفیسر فیروز الدین مراد ایم ایس سی ایم اے ادا کالج علی گڑھ

(۱) مجملہ ان تمام مظاہر فطرت کے جن سے ہم آشنا ہیں وہ مظاہر جو "حیات روح" کے تحت میں رکھے جاتے ہیں یا جو بالفاظ دیگر نفس انسان کے وظائف اور اعمال مخصوصہ سے وابستہ ہیں ایک لحاظ سے نہایت ضروری اور اہم ہیں گو وہ بہت ہی دقیق اور متنازعہ فیہ بھی ہیں چونکہ کارخانہ قدرت کے متعلق معلومات حاصل کرنا جو اس کتاب کا فلسفیانہ بحث ہے خود حیات روح کا ایک جزو ہے اور چونکہ علم انسان بلکہ علم الکائنات بھی نفس (انسانی) کے متعلق صحیح معلومات کا محتاج ہے اسلئے ہم علم النفس یعنی روح کے حکیمانہ (سائنٹفک) مطالعہ کو دیگر تمام علوم کی بناء اور اصل مان سکتے ہیں، دوسرے نقطہ نگاہ سے بھی علم النفس فلسفیانہ علم افعال الاعضاء یا علم الانسان کا ایک جزو تصور ہو سکتا ہے،

(۲) علم النفس کو ایک نظری بنیاد قائم کرنے کے لئے انسانی نظام الاعضاء سے اور بالخصوص دماغ سے جو فعلیت نفسی کا خاص مستقر ہے، صحیح واقفیت درکار ہے، اکثر عالمان نفسیات روح کے اس جسمانی مسکن کے احوال سے یا تو بالکل بے بہرہ یا بہت ہی کم آشنا ہوتے ہیں، اسی سبب سے یہ خرابی واقع ہوتی ہے کہ بخلاف دیگر علوم کے علم النفس کے موضوع اور صحیح معنی کی تفسیر و توضیح میں بہت سی تناقض اور عبید از عقل بائین پائی جاتی ہیں گزشتہ

لے یہ مضمون جرمین پروفیسر ہیکل کی شہرہ آفاق تصنیف "مذہب کائنات" سے متعین ہے،

تیس سال میں یہ تناقض اور علم النفس کے موضوع سے صحیح واقفیت بنوٹنے کے بدنتائج تفسیر الابدان اور افعال الاعضاء کی شاندار ترقی اور دماغ کی ساخت اور طبعی وظائف کی بہتر تفہیم کے دوش بدوش اور بھی زیادہ نمایان ہو گئے ہیں،

(۳) میری دانست میں لوگ جسکو روح سے تعبیر کرتے ہیں وہ ایک منظر فطرت ہے، لہذا میں علم النفس کو علوم طبعی کی ایک شاخ اور علم افعال الاعضاء کا ایک جزو سمجھتا ہوں اسلئے شروع ہی میں مجھے نہایت زور سے یہ بتا دینا چاہیئے کہ اس علم میں (یعنی روح کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے) ذرا لچ تقصص صرف وہی ہو سکتے ہیں جن سے دوسرے علوم طبعی میں کام لیا جاتا یعنی سب سے پہلے ہمیں مشاہدہ اور تجربہ سے کام لینا چاہیئے، دوئم نظریہ ارتقاء سے اور سوئم بالبعد الطبیعیاتی قیاسات کی وساطت سے بذریعہ استدلال و استقراء مظاہر نفسی کی گزشتہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے، لیکن اس مسئلہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرینگی خاطر ہم ناظرین کے سامنے ثنویت اور وحدیت کے نظریوں کا تضاد پیش کرتے ہیں،

(۴) فعلیت نفسی کا عام تصور جسکے ہم مخالف ہیں، روح اور جسم کو دو متباہن ہستیاں تسلیم کرتا ہے (اسی بنا پر یہ قیاس نظریہ ثنویت کہلاتا ہے، اور اسکی مفصل تشریح فلسفہ ثنویت نام سے موسوم کیجاتی ہے) یہ دونوں ہستیاں ایک دوسرے پر منحصر نہیں ہیں اور نہ ہی انکا اتحاد انکے وجود کے لئے لازمی ہے، ذی اعضا جسم ایک فانی اور مادی حقیقت رکھتا ہے اور اسکی کیمیائی ترکیب مواد زندہ اور اسکے مرکبات سے ہوئی ہے، برعکس اسکے روح ایک غیر فانی اور غیر مادی ہستی اور ایک ملکوتی عامل ہے، جسکی پراسرار زندگی اور فعلیت انسانی عقل کی دسترس سے متجاوز ہے، یہ عامیانہ قیاس اپنے دعویٰ کے لحاظ سے روحانی اور غیر مادی کہلاتا ہے اور اسکے بالمقابل مذہب کو مادی کہا جاتا ہے، یہ غیر مادی قیاس حد و ثبوت سے

تجاوز ایک فوق الفطرت قیاس ہے کیونکہ اس میں ایسی قوتوں کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے جنکی فعلیت کسی مادی اصل کی محتاج نہیں ہے۔ اس قیاس کی بنیاد ایک مفروضہ ”روحانی“ غیر مادی عالم ہے جسکا ہمیں کچھ شعور نہیں ہے، اور جو مادی دنیا کے مادہ اس طور سے موجود ہے کہ معمولی طبعی ذرائع تحقیقات کی وساطت سے ہمیں اسکا مطلقاً کچھ علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۵) یہ موبہوم ”عالم ارواح“ جسے مادی کائنات سے بالکل جدا اور آزاد مانا جاتا ہے اور جسکے اوپر فلسفہ تنزیت کے مصنوعی ڈھانچے کا سارا دار مدار ہے، سب کا سب شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہے، اسی عقیدہ کے متوازی جو مذہب ”بقاے روح“ یا ”عدم فنا“ روح کو مانتا ہے اسکے متعلق بھی تذکرہ صدر تنقید کیا جاسکتی ہے، ”بقاے روح“ کا سائنٹفک طور پر ناممکن ہوتا ہم آئندہ ابواب میں ثابت کر دکھائی گئے، اگر اس عقیدہ کی جو ضعیف الاعتقاد ازدو اعتبار آدمیوں کے حلقہ میں عام ہے کوئی حقیقی اصلیت ہو تو وہ مظاہر جو اس عقیدہ سے متعلق ہیں ”ناموس مواد“ کے (یعنی قانون عدم فنا مادہ، اور قانون عدم فنا قوت جنکی مفصل تشریح آئندہ ابواب میں کی جائیگی) تالبع نہیں ہو سکتے، علاوہ ازیں کائنات کے اس اعلیٰ ترین قانون کی یہ واحد استثناء تاریخ عالم میں بہت دیر کے بعد ظاہر ہوئی ہوگی، کیونکہ اسکا تعلق صرف انسان اور اعلیٰ حیوانات کے ”روح“ یا نفس ناطقہ سے ہے، نفسیات تنویہ کا ایک دوسرا ضروری عنصر، یعنی ”عقیدہ اختیار“ بھی اسی طرح اس عالمگیر ناموس مواد کے بالکل غیر مطابق ہے،

(۶) فعلیت نفسی یعنی روح کی زندگی اور اصلیت کے متعلق ہمارا طبعی قیاس یہ ہے کہ مظاہر روح تمام دیگر مظاہر فطرت کے مانند ایک مخصوص مادی جوہر پر منحصر ہیں، فعلیت نفسی کی اس مادی بنا کو جسکے بنیاد پر تصور میں آہی نہیں سکتی، ہم کلمۃ النفس کے نام سے

موسوم کر سکتے ہیں، اور اس طریق تسمیہ کا سبب یہ ہے کہ کیمیائی تحلیل و تجزیہ کی رو سے یہ کلمۃ الادائی یا مواد زندہ کی قسم کے اجسام میں شامل ہے، جو اندسے کی پیدائی کی طرح کاربن کے وہ پیچیدہ مرکبات ہیں جن پر تمام روحی حرکات و سکنات اور اعمال حیات کا انحصار ہے، اعلیٰ حیوانات میں سے جو نظام عصبی اور مخصوص مستقرات حواس رکھنے کے اہل ہیں، کلمۃ النفس میں سے عصبی مادہ یعنی کلمۃ الاعصاب بھی الگ کیا جا چکا ہے، مشرحہ صدر نقطہ نگاہ سے روح کے متعلق ہمارا یہ قیاس مادی کہا جاسکتا ہے، علاوہ ازیں اس قیاس کو فطری اور مشاہدہ پر مبنی بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ ہمارے سائنٹفک تجربے نے آج تک ہمیں ایسی مافوق الفطرت قوی یا عالم ارواح کے وجود کا پتہ نہیں دیا جو معمولی قواے فطری یا مادی دنیا سے ارفع و اعلیٰ ہوں،

(۷) دیگر تمام مظاہر قدرت کی طرح تغیرات نفسی اور افعال روحی بھی عالمگیر ناموس مواد کے زیر نگین ہیں، یہاں بھی کائنات کے اس اعلیٰ ترین قانون کی کوئی استثناء نہیں پائی گئی، (ملاحظہ ہو باب دوازدہم) نباتات اور حیوانات کی ادنیٰ ترین اقسام کی حقیر حیات نفسی کے مظاہر یعنی انکا اشتغال پذیر ہونا اسکے اضطرابی افعال انکی حیثیت اور خود تحفظ کی جدت، ان کے ظلیا کے اندر مواد زندہ میں ان طبعی اور کیمیائی تغیرات کا نتیجہ ہوتے ہیں جو کچھ تو کبلاً اور کچھ درشتاً حاصل کئے جاتے ہیں، اعلیٰ حیوانات اور انسان کی ممتاز حیات نفسی کے متعلق یعنی خیالات اور تصورات کے مرتب ہونے اور عقل و شعور کے حیرتناک مظاہر کی بابت بھی ہمیں بجنسہ یہی رائے قائم کرنی چاہیئے، کیونکہ موخر الذکر اعلیٰ حیات نفسی کے متعلق علم ارتقاء انواع بتاتا ہے کہ یہ مقدم الذکر ادنیٰ حیات نفسی کی ارتقائی (یعنی تدریجی طور پر ترقی یافتہ) شکل ہے جو مختلف ادنیٰ حیوانات کے متفرق وظائف حیات کے اتحاد، ابتلافاً اور ایک

مرکز تک ترقی کر جانے سے نتیجہ ہوجاتی ہے،

(۸) ہر علم کا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے موضوع اور مبحث کو واضح طور پر بیان کر سکے، دنیا میں کسی دوسرے علم کے لئے اس فرض اولین کی ادائیگی میں علم النفس سے زیادہ زحمت کہیں لاحق نہیں ہوتی، کیونکہ منطق جسکی وساطت سے یہ فرض ادا کیا جاسکتا ہے خود علم النفس کا ایک جزو ہے، جب ہم مختلف زمانوں کے ممتاز ترین فلسفیوں، حکیموں اور عالمان سائنس کے ان اقوال کا جو علم النفس کے تصور اساسی کی بابت منقول ہیں یکجا جمع کر کے بنظر امعان مطالعہ کرتے ہیں تو تناقض آرا اور متباہن خیالات سے حیران و سرگردان ہو جاتے ہیں، ”روح“ دراصل کیا ہے؟ ”دماغ“ یا انسانی نفس ناطقہ سے اسکا کیا تعلق ہے؟ شعور کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حس اور وجدان میں کیا فرق ہے؟ جبلت (جسے عرف عام میں عقل حیوانی بھی کہتے ہیں) کیا ہے؟ ”علم حضوری“ کسکو کہتے ہیں؟ فہم اور عقل میں کیا فرق ہے؟ ”جذبہ“ کی صہیت کیا ہے؟ جسم اور ان تمام مظاہر نفسی کے درمیان کیا علاقہ ہے؟

ان سوالات اور انکے ماثل دیگر متعدد سوالات کے جوابات میں پیچیدہ حساب اختلاف آراء ہے، نہ صرف بڑے بڑے اہل الرائے علماء کے خیالات میں ان مسائل کے متعلق تضاد و اختلاف ہے، بلکہ غضب تو یہ ہے کہ بہت سے علماء نے جنکی قابلیت میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں ہو سکتا اپنی دماغی ترقی کے مختلف منازل طے کرتے ہوئے بسا اوقات اپنی پوری پوری رائیں بدل دی ہیں، امر واقعہ یہ ہے کہ اتنے کثیر التعداد اہل فکر کی دماغی قلب بیست نے علم النفس کے تصورات میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

(باقی)

ہربرٹ اسپنسر

انگلستان کے نامی و گرامی فلسفی ہربرٹ اسپنسر کی ولادت کو پوری ایک صدی ہوئی اس تقریب سے حال میں اسکے متعلق متعدد مضامین انگریزی جرائد و رسائل نے شائع کئے، ہم ذیل میں اس معنیوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو پروفیسر ڈی، آرمی ٹامسن نے جماعت عقلیہ کے مشہور ماہانہ رسالہ لٹریچر گائیڈ میں شائع کیا ہے، یہ واضح رہے کہ خود پروفیسر موصوف کا شمار اسوقت انگلستان کے ممتاز علما میں ہے،

ہربرٹ اسپنسر کی تاریخ ولادت آج سے ہٹیک سو برس قبل ۱۷۹۰ء اپریل ۱۸ء ہے، لیکن دنیا میں جتنے تغییرات اس صد سالہ مدت میں ہوئے، یا جتنی طویل اس صدی کی عمر معلوم ہوتی ہے اسکے لحاظ سے موجودہ تاریخ عالم میں کسی پچھلی صدی کو اسکی نظیر نہیں قرار دے سکتے، اسپنسر کی وفات ۸- دسمبر ۱۹۰۳ء کو واقع ہوئی، اور اس حساب سے اسے واقع ہوئے سولہ سال سے کچھ ہی زائد عرصہ گزرا، لیکن ہم میں سے اکثر دن کو یہ شانزدہ سالہ مدت قرنہما قرن کے برابر معلوم ہوتی ہے، اسن اشخاص کے ذہن میں اسپنسر کی یاد بالکل تازہ ہے، لیکن ایسے کثیر السن اشخاص گنتی کے چند ہیں، دوسری طرف نوجوانوں کی عام جماعت کے نزدیک اسپنسر کی ایک فراموش شدہ شخصیت ہے، اور ایک اسپنسر پر کیا موقوف ہے انکے نزدیک وہ سارا دور ہی ہمل تھا ہمارا مقصد اسوقت اسپنسر کی مدح و ذم دونوں سے الگ، اسکی سالگرہ کے موقع پر کچھ دیر کے لئے اسکی بابت سوچنا ہے۔

میں نے اسپنسر کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا ہے، میں نے آتش دان (انگریزی ڈرائنگ روم کا ایک لازمی جزدوم کے پاس بیٹھ کر اس سے مکالمات کی ہے، میرے پاس اسکے چند مکاتیب محفوظ ہیں، اور اگرچہ مجھے اس سے بے تکلفانہ دوستی کا شرف کبھی نہیں حاصل ہوا تاہم مجھے فخر و مسرت ہے کہ مجھے اس سے شخصاً ملاقات تھی، میں اسکے فلسفہ کا قایل نہیں، اور نہ اسکے اصول کا متبع ہوں، تاہم میں اپنے خزانہ حافظہ میں اسکی یادداشتوں کو نہایت عزیز رکھتا ہوں میری نوعیت حیات اپنی تشکیل و تعبیر میں اسکے اثرات سے کافی متاثر ہوئی، اور میں پاناہوں کہ بعض دفعہ بلا قصد و اضطرار بھی اسکے خیالات کو دہرانے اور اسکی زبان بولنے لگتا ہوں،

ملکہ دکتوریہ آج زندہ نہیں اور نہ اسکے عہد کے شاہسیر رجال زندہ ہیں، ایک گروہ کا خیال ہے اسکا عہد آج اس سے زیادہ فراموش شدہ ہے، جتنا ملکہ این (متوفیہ ۱۸۷۷ء) کا ہے، یہ خیال ایک حد تک ضرور صحت و سنجیدگی رکھتا ہے، اور جس حد تک صحیح ہے، تاہم کچھ کے عجائبات میں داخل ہے یہ عجوبہ تاریخی بار بار تجربہ میں آتا رہتا ہے کہ "حال" کی دہن میں جو شے سب سے زیادہ فراموش شدہ ہو جاتی ہے وہ ماضی بعید نہیں بلکہ ماضی قریب ہی ہوتا ہے، آج "سب سے زیادہ کل" ہی کا دشمن ہوتا ہے، ادھر ہم اپنے مردوں کو دفن کر کے آئے، اور ادھر جدید احباب پیدا کر لئے اور اپنے روزانہ مشاغل میں منہمک ہو گئے، شراب کہنہ کی طرح شاہسیر رجال کی شہرت کو بھی پختگی تک پہنچنے میں کافی عرصہ لگتا ہے، اور قبل اسکے کہ انکی پختگی شہرت کا زمانہ آئے ہم خود ہی دنیا سے خست ہو جاتے ہیں (اسلئے عظمت و کمال کا اندازہ کئی نسلوں کے بعد جا کر ہوتا ہے،

اسپنسر کی بابت میں نے کئی برس ہوئے ایک مضمون لکھا تھا، اور اسوقت میں یہ سمجھتا تھا کہ اسکے خاص خاص واقعات سب کو معلوم ہیں، لیکن آج کی صحبت میں انہیں کو مختصر بیان کر دینا چاہتا ہوں، اسپنسر کے آباد اجداد ڈربی کے سیدھے سادھے دیہاتی تھے، ایک زمانہ میں انکے

پاس کچھ جائداد تھی، مگر رفتہ رفتہ وہ ہانتہ سے نکل گئی، اور اسپنسر کے دادا نے اپنے قصبہ میں ایک چوٹا سا درسہ اپنی معاش کے لئے قائم کیا، اسپنسر کے والد جارج اسپنسر ایک بد قسمت شخص تھے، بیسویں کام انھوں نے شروع کئے، مگر کامیابی کسی میں بھی نہ ہوئی، اس زمانہ میں ایجاد و اختراع کی گرم بازاری تھی، اور انھوں نے بھی اختراع کی کوشش کی، پہلے کئی برس انھوں نے فیتہ سازی کی کل بنانے پر اپنا سارا سرمایہ اور وقت صرف کیا، لیکن کچھ نہ چل سکا، اس کے بعد چرم سازی، پیمائش زمین اور مذہبی گروہ میں داخل ہوئی دہن رہی، بالآخر انھوں نے ایک مدرسہ کھول لیا کہ اکثر ناکام دنیاہل افراد کا آخری سہارا بھی ہوتا ہے، لیکن باہرین ہمہ وہ بالکل بے مغزیانہاہل تھے، انکی درسی تعلیم برائے نام تھی، لیکن انھوں نے اپنی ذاتی کوشش سے خوب معلومات بہم پہنچائے تھے، خصوصاً سائنس سے متعلق، اور برابر علل اسباب کے کوج میں لگے رہتے تھے، اپنی رائے پر بڑی مضبوطی سے اڑے رہنے والے، بحث میں کبھی نہ ہار ماننے والے خود احکام ضمیر کے پابند، مگر دوسروں پر بڑی نکتہ چینی کرینوالے، کسی کی حکومت نہ ہونے والے تقلید سے متنفر، اور دوسری طرف قوت عمل میں کمزور، اور ظرافت، بذلہ سنجی اور فنون لطیفہ کے ذوق سے یکسر معری، یہ اکی خصوصیات زندگی کا خلاصہ تھا،

اسپنسر کا ناہالی خاندان ایک بالکل دوسری طرز کا تھا، سولہویں صدی کے آخر زمانہ میں بہت سے بیرونی خاندان نواح اسٹربرج میں آکر آباد ہو گئے تھے، مثلاً لورین (فرانس) کے کبار اہل ہیمیار کے شیشہ ساز، اور اس سے پہلے اہل نارمنڈی کا ایک معزز خاندان ان سب نوآبادوں نے باہر گر رشتہ ازدواج قائم کیا، اور اسپنسر کی والدہ اسی مشترک و مخلوط نسل کی تھیں، یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس طرح فولاد کسی ناور تروہات کے مل جانے سے اپنی خوبیوں میں کمی لگنا بڑھتا ہے، اسی طرح شجرہ نسب میں بیرونی خون کی آمیزش سے غیر معمولی آب و تاب

پیدا ہو جاتی ہے، اسپنسر کو اپنے نسب پر بہت ناز تھا، لیکن میرے نزدیک وہ جتنی اہمیت اپنے
اسلاف کی حریت پسندی و پابندی ضمیر وغیرہ کی سمجھتا تھا، اتنی اپنے شیشہ ساز اجدا کی کمال
دستکاری کی نہیں سمجھتا تھا،

اسپنسر کی ابتدائی خانگی زندگی بالکل ہی خشک و محدود قسم کی تھی، اسکے والد گرفتار افلاس
تھے، مگر مین مسرت و شادمانی کا نام نہ تھا اور تقریبات مسرت ایک طرف، دوست احباب
تک کا وجود عقدا تھا، لیکن اسپنسر کے دادا اور چچا صاحبان بڑے ہی "بجاث" اور مناظرہ پسند تھے
ملک مین اسوقت کا ردباری حیثیت سے زلزلہ آیا ہوا تھا، اس زمانہ مین یہ حضرات ہر قسم کے
سیاسی، مذہبی و معاشری مسئلہ پر خوب جی کھول کر مناظرہ کرتے رہتے تھے، اور اسپنسر کو اس لفظی
جنگ آزمائی مین شرکت کے مواقع بچپن ہی سے ملنے لگے، اسکی تعلیم کا اصلی بار ایک چچا کے
سر پر، اور یہ تعلیم تھی ہی کیا؟ ابتدائی ریاضی، لاطینی و یونانی کی ابجد (جسے اپنے مذاق طبیعت سے
بالکل متناظر پا کر کچھ ہی عرصہ مین اس نے چھوڑ دیا) ڈرائیگ اور انگریزی انشا کے ذرا اپنے
اسباق، بس یہی اسکی تعلیم کی کل کائنات تھی، بچپن کی اس بے توجہی و کم استعدادی کی تلافی
اس نے سن رشد پر پہنچ کر جس مستندی و مشقت کے ساتھ کی وہ حیرت انگیز ہے، ابھی اسکا سن
کل سترہ برس کا تھا کہ اسے لندن اینڈ برٹنگھم ریلوے کے دفتر انجینیری مین نقشہ نویسی کی جگہ
مل گئی، ریل سازی کا خط اسے نیا نیا شروع ہوا تھا، اور ہر طرف اسی کا زور و شور، اسکی
چچا بچا رہتے، چنانچہ کچھ ہی روز کے بعد اس نو آموز انجینیر کے تحت مین اسی آدمی کام کر رہے تھے
جو میر دروڈ کے پل کی تیاریوں مین لگے ہوئے تھے، چار سال تک اسکی زندگی بھی اسی تئیری
خط کے لئے وقف رہی، آگے چل کر اسے خود اس تصنیع وقت پر افسوس رہا، اور وہ اس زمانہ کو
اپنے زندگی کے بیکار حصہ سے تعبیر کرتا رہا، تاہم یہی وہ زمانہ ہے جس مین اسکے قوی اپنی بچپنی کو

بچپن، ذہن کی پوری تربیت ہوئی، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انجینیر و معمار کا مذاق طبیعت اس مین
راج ہوا، جسکا اثر یہ ہوا کہ آئندہ وہ واقعات عالم کو بھی اسی میکا کی نقطہ نظر سے دیکھنے کا
خوگر ہو گیا،

بالآخر اسپنسر اس مشقت سرک سازی سے اکتا گیا، اور اپنے والد کی خدمت کی غرض سے
اس ملازمت سے استعفا دیدیا، والد بزرگوار اسوقت ایک برقی مشین کی تیاری کی ذہن مین تھے
لیکن اسکا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پیشتر دوسری اختراعات کا ہو چکا تھا، یعنی یہ مشین بھی نہ
چل سکی، اب ریلوے سازی کا خط ملک مین سرد پڑ چکا تھا، ریزگار کا ملنا دشوار ہو گیا تھا اور
انیسویں صدی اپنی چوتھی دہائی مین قدم رکھ چکی تھی، جو افلاس و ناداری کا دور تھا، مجبوراً ہر برٹ
اسپنسر نے لندن مین آکر قیام اختیار کیا کہ اپنے فلم کے ذریعہ سے کچھ پیدا کریں، اسوقت اسکی عمر
۳۲ سال کی تھی، اسکے اس دور زندگی کا ابتدائی حصہ بہت ہی افسوسناک ہے، مضامین واپس
آتے تھے، قدر دانی کیا معنی، کوئی بات تک نہ پوچھتا تھا، اور مفلسی کا چاروں طرف سامنا تھا،
لیکن اسکا استقلال بے نظیر تھا، اور محنت و جفا کشی مین کبھی کمی نہ آئی، اس نے چھوٹے چھوٹے
مختصات تیار کرنے شروع کئے، اور حیرت یہ ہے کہ انہیں سے اسے مالی منافع بھی ہونے لگے،
خاص کر ایک الپین کے ایجاد و اختراع سے توجہ طومار کا غذات کی شیرازہ بندی کے لئے تھی،
اسے ۱۸ پونڈ حاصل ہوئے، اسی درمیان مین اسے کبھی کبھی انجینیری کا کام بھی ملتا رہا، اور
بعض اخبارات بھی خردن کی ترتیب وغیرہ مین اس سے اجرت پر کام لیتے رہے، غرض
کسی نہ کسی طرح وہ بغیر کسیکا دست نگر ہوئے اس زمانہ مین اپنی گذر کرتا رہا، اور فرصت کے
اوقات نکال کر پڑھنے اور لکھنے کے مشاغل بھی جاری رکھے،

اسپنسر کی عمر جب ۳۰ سال کی ہوئی تو اس نے اپنی پہلی تصنیف سوشل اسٹیکس شاپ کی

جامعیت و ہمہ گیری، جسکی سہی وہ اپنی ہر آئینہ تصنیف میں کرتا رہا، اسکی جملک اس پہلی تصنیف میں بھی نمایاں ہے۔ اس کتاب کا موضوع ایک نظام اخلاق کو پیش کرنا تھا جسکی تفصیل و تکمیل اس نے بعد کو اپنی پرنسپلز آف پتھکس میں کی، اخلاق کی تعریف اس نے یہ کی کہ وہ ضبط و منہ کی چند دفعات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ اس نظام کا مفہوم آزادی کے ان حدود کو متعین کرنا ہے جنکے مطابق عمل کرنے سے مقاصد حیات پورے لطف و لذت کے ساتھ چل سکتے ہیں، گویا محکومی و اطاعت نہیں، بلکہ آزادی عمل، حقوق انسانی کی اہم ترین دفعہ اور حیات انسانی کی غایت اصلی ہے، مسئلہ ارتقا کی داغ بیل اسی کتاب سے پڑی، اور کلیہ بقائے اصلح کی بھی، جسکے معنی یہ ہیں کہ نسل کے قوی تر عناصر باقی اور ضعیف تر فنا ہوتے رہتے ہیں۔ ابتدائی الترخیج اس کتاب میں ملتی ہے، نیز انسان اور موجودات کے باہمی فعل و انفعال تاثیر و تاثر اور تشکیل ہیئت اجتماعیہ (یہ نظریہ اگرچہ ارسطو بیان کر چکا تھا لیکن اسپنسر کا بیان اس سے ماخوذ نہیں) کی تصریحات اسی کتاب میں ملتی ہیں، اس کتاب کا شمار اسکی اعلیٰ تر تصانیف میں نہیں، تاہم اس نے ایک خاص امتیاز بہت جلد حاصل کر لیا، اسپنسر کے متبعین و مخالفین اسی وقت سے پیدا ہونے لگے، جنکا سلسلہ آخر وقت تک قائم رہا، چند ہی سال کے بعد ہندوستان کے ایک بڑے عہدیدار نے اسپنسر کو یقین دلادیا کہ ہندوستان کے ایک بڑے صوبہ کی حکومت تمام تر اسکی اسی کتاب کے اصول و قوانین کے مطابق کھاتی ہے، اسکی کتاب جس دارالاشاعت سے شائع ہوئی تھی، وہاں ہر ہفتہ ارباب علم کا مجمع ہوا کرتا تھا، اسپنسر کی آمد و رفت وہاں شروع ہوئی، اور چند ہی روز میں اسکی شہرت لندن کی علمی دنیا میں پھیل گئی اب اسکی زندگی ایک بے یار و آست ناگوشہ نشین کی زندگی نہ تھی، بلکہ اب اسے اپنے حلقہ احباب میں جامع ایلیٹ و لوہیں، ادیبین و فلسفے، فارسیں و ہونکر، بین و مشین کے

شمار کر نیکا شرف حاصل تھا، چند روز اور گزرے اور وہ علمی دنیا کے ہر ممتاز رکن سے نہ صرف روشناس تھا، بلکہ خود اسکا بھی شمار اسی جماعت میں تھا، اسپنسر نے جس سرعت سے معاشرتی عزت میں ترقی کی وہ حیرت انگیز ہے، اسے احباب آفرینی میں کمال حاصل تھا، تاہم اسکی ذمہ داری ایک حد تک اسکے معاصرین کی علمی فراخ دلی پر ہے، اسوقت کی دنیا موجودہ دنیا سے چھوٹی تھی، علم کی قدر زیادہ اور دولت کی وقعت کمتر تھی، ممکن ہے میری رائے غلط ہو لیکن میں اپنی جگہ پر تو یہ یاد رہیں کر سکتا کہ آج بھی ایک مفلس و گناہم نوجوان اس آسانی سے اپنے معاصرین سے بہرہ رومی و عزت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے،

بیان اسکی عاجت نہیں کہ ان تمام تصانیف کا خلاصہ بیان کیا جائے، یا اسکے نام ہی شمار کر دیے جائیں، جنکا سلسلہ ۱۵۵۰ میں پرنسپلز آف سائیکالوجی (اصول نفسیات) سے شروع ہوا، یہ نظام فلسفہ ترکیبی کی سلسلہ کی پہلی قسط تھی، جس میں آگے چلکر اصول اولیہ کے شمول کے ساتھ اصول حیاتیات، اصول نفسیات، اصول عمرانیات، اصول اخلاقیات کے مجلدات تیار ہوئے،

اس سارے نظام فلسفہ کا مرکز مسئلہ ارتقا رہے، ممکن ہے کہ اسکا تخم اسپنسر کے دل میں لایں کی اصول ارضیات کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، (جسے اس نے اپنی ملازمت ریلوے کے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۱۔ انگلستان کی مشہور ناول نویس خاتون، جسکے ناولوں میں فلسفہ سیرت بشری کی بہترین عقدہ کشائی ملتی ہے، ۲۔ اول الذکر کا شوہر فلسفہ و سائنس، ادب و شاعری کا ایک ممتاز عالم، ۳۔ علم الحیات کا ماہر، ۴۔ علم الحیات اور سائنس کے دیگر اصناف کا استاذ الاساتذہ، ۵۔ سائنس کا عالم، ۶۔ نباتات کا مشہور ماہر، ۷۔ فلسفہ نفسیات، و منطق کا ایک نامور عالم ۸۔ منطق کا پروفیسر، (معارف)

زمانہ میں خرید کیا تھا) جیسا کہ ڈارون کے دل میں اس معرکہ الہیہ کے مطالعہ سے پیدا ہوا تھا کچھ روز کے بعد ڈارون کی تصنیف اصل انواع شائع ہوئی، اسپنسر کی تعلیمات کے لئے صرف تیار رہتا، بلکہ بعض حیثیات سے اس سے چند قدم آگے تھا، جس طرح ڈارون اپنے نظریات کو حیاتی و حیوانی مسائل پر روز افزون شرح و بسط کے ساتھ چمکانا کرتا رہا، اسی طرح اسپنسر نے مدۃ العمر اپنی توجہ ارتقاء کے نفسیاتی، معاشری و اخلاقی پہلوؤں کی توضیح و تشریح پر مصروف رکھی،

اسپنسر کی تصانیف کے بعض مقامات اگر آج پایہ تحقیق سے ساقط نظر آتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسی شمع سے صد ہا شعلیں اب تک روشن ہو چکی ہیں، علم الحیات کے محققین آج ڈارون کی تحقیقات کو کب دجی و الہام کے مرتبہ پر رکھتے ہیں؟ دراصل ایک چند سال پیش تک اسکی تصانیف پر سب بے چون و چرا ایمان رکھتے تھے، با این ہمہ علم الحیات کی عمارت کی بنیاد آج بھی ڈارون ہی کی تحقیقات ہے، یہی حال اسپنسر کا بھی ہے، اسکی تصانیف کا آج شاذ و نادر مطالعہ کیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح کہ جیسے دیدار و اور روشو کا مطالعہ متروک ہو گیا، اور ہمیں کوئی خاص تکلیف نہیں محسوس ہوتی، لیکن اگر اسپنسر اور ان دونوں کا وجود ہوا ہوتا تو آج کونسی کتابیں قابل مطالعہ ہوتیں،

ارتقاء کا ناگزیر و نامتناہی سلسلہ کائنات کے ہر شعبہ میں عامل ہے، جس سے فلسفہ منتقنی نہیں، ہر دور میں ایک جدید فلسفہ رواج پاتا ہے، اور پچھلے دور کا فلسفہ متروک ہو جاتا ہے، لیکن آزاد خیال انسان کا ایک مسلم فطری حق قرار پا چکی ہے، اب اس سے اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا، اور انیسویں صدی کا یہ کارنامہ عقلیت جبکہ ڈارون اسپنسر کا ممنون ہے، کسی اور کا نہیں، اسپنسر کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ اسکی عقلیت اور فلسفہ ارتقاء کے

مادر، اسرار کا وجود ہی نہیں، بلکہ کھسکے کی طرح وہ ان چیزوں سے متعلق خاموش و مصالحا نہ لا اوریت کا عقیدہ رکھتا تھا، اور ان مسائل کو اپنے دائرہ تحقیقات و فہم سے مافوق سمجھتا تھا، اسپنسر نے عمر طبعی کو بچکر اور ہر قسم کا اعزاز حاصل کر چکنے کے بعد وفات پائی، اسکی انتقال پر انگلستان کے اکثر شاہیں نے جنین ہر طبقہ، ہر عقیدہ، اور ہر جماعت کے افراد شامل تھے، اور احباب ناماندہ و معتقدین نے بہ الحاح درخواست کی کہ اس نامور کی خاک کو قومی قبرستان ولسٹمنسٹر ایبے کے ایک گوشہ میں جگہ دیجائے تاکہ دیگر شاہیں وطن کے پہلو میں اسکی بھی دائمی یادگار قائم رہے، لیکن یہ استدعا منظور نہ ہوئی، دفن کے بعد ایک عالم و نصیب البیان شخص لارڈ کورنٹ نے ایک موثر و دلاویز تقریر کی، جس سے بہتر تعزیتی تقریر کبھی بھی نہ ہوئی تھی، لارڈ موصوف نے اسپنسر کے ان ذہنی کمالات کو بیان کیا جن سے اسے محبوبیت حاصل ہوئی تھی جن اشخاص سے اسکی تکلم دوستی تھی، جن مکانات میں وہ ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ مہمان بنایا جاتا تھا، اسکی پیش نظر کام کی عظیم الشان وسعت، اسکی ان تہنک محنت و جفاکشی، کام کی تکمیل پر اسکی مسرت و ارتقاء کائنات سے متعلق اسکی محققانہ و ہمہ گیر نظریہ، انسان کی حریت شخصی سے متعلق اسکی جدوجہد اسکی حق پرستی، مسائل حیات کی گرہ کشائی میں اسکی عالی ہمتی اور انکسار، اور آخر میں غیبات (Unknownable) کے دائرہ فہم میں نہ آسکنے، وہ ازلی وابدی قانون پر محیط ہونے سے عاجز رہے، اور ابدی، و نامتناہی، کے حضور میں خاموشی پر قناعت کر لیا، اعتراف ان میں سے ایک ایک چیز کا لارڈ موصوف نے ذکر کیا،

ان الفاظ کا ہم بہ مسرت اعادہ کر کے اسپنسر کی سادہ زندگی اور مفید خدمات کو یاد کرتے اور اسکے نام کے آگے سر نیاز جھکاتے ہیں،

(لٹری گائیڈ)

بَابُ التَّفْصِيلِ وَالتَّحْقِيقِ

الاستدلال

مصنفہ پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

از مولوی محمد سعید انصاری رفیق دارالمصنفین

دنیا کے تمام علوم و فنون کی طرح فن منطق نے بھی تدریجی طور پر ترقی کی ہے، ابتدا وہ جس بیض حالت میں تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب افلاطون نے انسان کی یہ توفیق کی کہ وہ ایک حیوان ہوتا ہے جسکے دو پاؤں ہوتے ہیں اور پر نہیں ہوتے، تو حکیم دیوجانس کلی نے ایک بال دپر شکستہ مرغ لاکر اسکی مجلس میں چھوڑ دیا اور کہا "یہ افلاطون کا انسان ہے" لیکن افلاطون کے بعد ہی اس فن نے حیرت انگیز ترقی کی، اور ارسطو نے اسکو ایک مستقل کتاب کی صورت میں مدون کیا جس میں آٹھ باب تھے، اور ہر باب ایک مستقل موضوع پر مشتمل تھا، ارسطو کے بعد مسلمانوں نے اس میں بعض خاص تغیرات کئے، جن میں سب سے بڑا تغیر یہ تھا کہ خطابت، شاعری، اور جدل جو درحقیقت منطق کے اجزاء نہ تھے، اور جبکہ ارسطو نے منطق میں داخل کر دیا تھا انکو خارج کر دیا، اور معقولات عشرہ کی بحث کو بھی جو اکیات سے متعلق تھی منطق سے نکال دیا، اسکے علاوہ بعض خاص مباحث کا اضافہ بھی کیا مثلاً عکس لقیض کی بحث جو منطق ارسطو میں سے موجود نہ تھی، مسلمانوں نے اضافہ کی، اور قیاس شرعی جو ارسطو کے ہاں بالکل نہ تھا ابو علی سینا نے ایجاد کیا، ان تمام باتوں کے ساتھ ایک سب سے بڑا تغیر یہ کیا کہ اس فن کے دو حصے قرار دیئے تصورات اور تصدیقات، جس سے اس فن کی صورت بالکل بد لگئی، لیکن یورپ کی حیرت انگیز

قوت ایجاد و اختراع نے اس میں اور بھی برگ و بار پیدا کئے، اور لیکن نے منطق کی ایک نئی شاخ ایجاد کی جو منطق عملی یا استقرائی کے لقب سے مشہور ہے، یہ ظاہر ہے کہ جب ہم کسی دعویٰ کی دلیل بیان کرتے ہیں تو اسکی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ہم ابتداء ہی سے چند ایسے اصول بیان کرتے ہیں جو مسلمات عامہ میں داخل ہوتے ہیں، اور انکی بنیاد پر ثابت کرتے ہیں کہ فلان نتیجہ ان سے ضرور لازم آتا ہے، یہ طریقہ استخراج کہلاتا ہے، مثلاً زید فانی ہے کیونکہ یہ قانون کہ انسان فانی ہے مسلم ہے، اور زید اسی قانون کے تحت میں داخل ہے، اس صورت میں پہلے مقدمات مذکور ہوتے ہیں اور پھر نتیجہ اسلئے ذہن کا عمل اوپر سے نیچے کو اترتا ہے، بخلاف اسکے دلیل کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ذہن کا عمل نیچے سے اوپر کو چڑھتا ہے، یعنی پہلے ایک جزئی واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور پھر اسکے قانون کلی کی جستجو کیجاتی ہے، یہ طریقہ استقرار کہلاتا ہے، اگرچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ استخراج و استقرار کا مقصد بالکل متحد ہے اور دونوں میں منفرد اور جزئی واقعات کے ذریعہ سے قواعد کلیہ دریافت کئے جاتے ہیں تاہم چونکہ یہ دونوں طریقے بالکل الگ الگ ہیں، اسلئے اہل یورپ نے منطق کو انہی دو حصوں پر جدا جدا تقسیم کر دیا ہے منطق استخراجی میں منطق قدیم کے اکثر مسائل شامل ہیں جنکی انتہا قیاس کی بحث پر ہوتی ہے، قیاس سے آگے منطق استقرائی کی حد شروع ہو جاتی ہے، جس میں استقرار، تمثیل، اور مغالطہ وغیرہ سے بحث کیجاتی ہے، یہی حصہ ہے جسکی ایجاد کے اہل یورپ مدعی ہیں، اور چیرانکو اسقدر ناز ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام کارنامہ سے زمین پر پانی پھیر کر انکو صرف ارسطو کی گاڑی کا قلی کہتے ہیں، لیکن کیا درحقیقت یہ دعویٰ صحیح ہے؟ کیا استقرار منطق کی کوئی علیحدہ شاخ قرار پا سکتا ہے؟ اور کیا اسکا وجود قدیم منطق میں کہیں نہیں ہے؟ جو لوگ دنیا کی ہر چیز کو یورپ کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہیں وہ اسکا جواب اثبات میں دینگے، لیکن جن نگاہوں پر یورپ کی گورائے تقلید کا پردہ

ہنہن پڑا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس دعویٰ کو سننے کے لئے تیار نہیں، لیکن نے بے شبہہ
استقرار کی بحث کو زیادہ پسلا کر لکھا ہے، لیکن اس سے نفس فن پر کیا اثر پڑا؟ استقرار کی بحث
پہلے بھی منطق کا ایک ضروری حصہ تھی اور اب بھی ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلے اس
وضاحت، اس تفصیل، اور اس جامعیت کے ساتھ نہ تھی جیسی آجکل پائی جاتی ہے، اس بنا پر
اسکو منطق کی کوئی جدید قسم قرار دینا صحیح نہیں ہے، ارسطو نے قیاس کے اقسام میں صرف جلیات
سے بحث کی تھی، مسلمانوں نے اسپر بالکل جدید قسم (یعنی شرطی) کا اضافہ کیا، تو کیا انکا یہ دعویٰ
صحیح ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ایک جدید منطق ایجاد کی؟ کسی فن کی ایجاد اور چیز ہے اور اسکے
کسی خاص باب پر اضافہ کرنا اور بات،

لیکن ابھی تک اصل عقدہ حل نہیں ہوا، ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یورپ نے استقرار میں اصولی
حیثیت سے کوئی اضافہ نہیں کیا، قدیم منطق میں استقرار کے دو طریقے مذکور ہیں، استقرار نام اور
استقرار ناقص، استقرار نام اسکو کہتے ہیں جس میں کسی خاص واقعہ کے متعلق متعدد تجربات کر کے
ایک قاعدہ کلیہ قائم کیا جائے، اور استقرار ناقص وہ ہے جس میں چند مثالوں کو دیکھ کر ایک قاعدہ
کلیہ بنا لیا جائے، قدیم منطق میں انہی طریقوں کو پسلا کر لکھا گیا ہے، لیکن جدید منطق میں انکی ایسی
تحلیل کی گئی ہے جس پر خارج از بحث ہونے کا الزام قائم ہو سکتا ہے، مثلاً یہ ظاہر ہے کہ استقرار کے
دو لیے سے جو تفسیر دریافت ہوگا وہ مشاہدہ اور تجربہ کے دساتل سے ہوگا، قدیم منطق مشاہدہ
اور تجربہ کو نظر انداز کر دیتا ہے، لیکن جدید منطق میں ان پر بھی بحث شروع ہو جاتی ہے، اسی طرح
تصبیق، قیاس، اور تمثیل وغیرہ قدیم منطق میں بالکل جداگانہ چیز ہیں، اور ان سے استقرار کے
عنوان میں بحث نہیں کی جاتی ہو لیکن جدید منطق میں ان سب سے بحث ہوتی ہے جو نہایت بُرا
غلط بحث ہے، اور تو اور تمثیل جو قدیم منطق میں بالکل مستقل چیز ہے اسکو جدید منطق نے استقرار میں

داخل کر دیا ہے جو نامیج منطق کا نہایت افسوسناک واقعہ ہے، اسی طرح علت و معلول کی بحث
جو درحقیقت فلسفہ سے تعلق رکھتی ہے اسکو بھی منطق استقرار کی میں جگہ دیکھی ہے، اس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ استقرار کی بحث میں یورپ نے اصولی حیثیت کوئی اضافہ نہیں کیا، بلکہ قدیم منطق اور فلسفہ
کے چند ابواب کو لیکر استقرار میں داخل کر دیا ہے،

بہر حال استقرار منطق کی کوئی جدید قسم ہو یا نہ ہو کتاب زیر ریلو میں اسکو اسی حیثیت سے
پیش کیا گیا ہے، اور چونکہ کتاب کا مقصد منطق کو جدید پیرایہ میں لانا ہے، اسلئے مصنف کی
کوشش ہر طرح قابل داد ہے، مصنف نے طرز بیان نہایت سادہ اور سلیس اختیار کیا ہے،
اور تمام مسائل نہایت خوبی سے سمجھائے ہیں، جن سے طلبہ اور اردو دان پبلک کی معلومات
میں اضافہ ہو سکتا ہے،

مصنف کو متعدد مواقع پر وضع اصطلاحات کی بھی ضرورت پڑی ہے اور انھوں نے
اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دیا ہے، لیکن کہیں کہیں فرد گزاشتین بھی ہو گئی ہیں مثلاً انھوں نے
عرض لازم اور غیر لازم کو فارق لکھا ہے یا مثلاً تنویع کو اصطفا ف لکھا ہے وغیرہ وغیرہ، بالآخر ہمہ یہ
تمام فرد گزاشتین جزئی حیثیت رکھتی ہیں، اور ہم کو کلی حیثیت سے بحث ہے اور اس حیثیت سے
یہ کتاب اردو زبان میں اپنی آپ نظر ہے،

اَحْبَاءُ عَلِيَّةَ

صوبہ متحدہ کے سررشتہ تعلیم نے سال آئندہ سے اپنے ہاں فارسی و عربی کے چند امتحانات قائم کئے ہیں، جنکے اسناد عطا کئے جائیں گے، یہ امتحانات تعداد میں چار ہیں جنہیں سے ایک فارسی کا ہے اور باقی عربی کے ہیں، فارسی امتحان کے بعد منشی کی سند ملے گی، اور عربی امتحانات کے بعد مولوی، عالم اور فاضل کی، امتحانات الہ آباد میں ہر سال مارچ میں ہونگے، مدت تعلیم ہر امتحان کے لئے دو سال کی ہے، امتحانات کے رجسٹرار انسپٹر صاحب مدارس عربی الہ آباد ہیں، جن سے مزید تفصیلات معلوم ہو سکتے ہیں۔

منشی کے امتحان میں آبجیات (آزاد مرحوم) واقعات کر بلا (انیس) شعرا لکھنؤ جلد پنجم (علامہ شبلی) دروس الادب (مولانا سید سلیمان) حدائق البلاغت وغیرہ داخل در کس میں مولوی کے نصاب درس میں کافیہ، بی، اسے کورس عربی، الہ آباد یونیورسٹی، شرح تہذیب، شرح وقایہ، ترجمہ، جلالین وغیرہ ہیں، عالم کا امتحان متنی، مختصر المعانی، قطبی، شرح ہدایت، الحکمۃ، نور الانوار، ہدایہ، بیضاوی وغیرہ ہیں ہوگا، فاضل کے کورس میں حریری، بدیع، حماسہ، اسرار البلاغت، الوداد، موطا امام محمد، نسائی، بخاری، مسلم، السنن، التلخیص، شہرستانی وغیرہ کے علاوہ درسیات طب، نفیسی، شرح اسباب، کامل الصناعۃ، کلیات و معالجات، و جمہیات قانون بھی شامل ہیں، شیعہ طلبہ کے لئے کتب دینیات اس نصاب سے علیحدہ ہیں، فاضل کے امتحان میں ادب و دینیات، و طب میں سے صرف ایک شعبہ کا انتخاب کرنا ہوگا۔

دارالسلطنت جاپان (ٹوکیو) میں جو مخصوص درسگاہ السنہ غیر (اسکول آف فارن لنگویجز) کے لئے قائم ہے، اس میں مختلف زبانوں کے طلبہ کی تعداد حسب ذیل ہے:-

زبان	تعداد طلبہ
انگریزی	۴۳۹
اسپینی	۱۰۹
چینی	۱۰۵
فرانسیسی	۹۶
جرمن	۹۴
روسی	۵۸
منگولی	۸

ایک انگریزی پرچہ لکھتا ہے کہ ان اعداد سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جاپان کے سیاسی و تجارتی تعلقات کس قوم کے ساتھ کس درجہ تک ہیں، جنگ سے قبل جرمن زبان کے طلبہ کی تعداد بہت زائد تھی،

سرچارلس بلیسن نے ایک لکچر میں بیان کیا ہے کہ اعصاب انسانی اگر مجروح یا ازکار رفتہ ہو جائیں تو انکے علاج کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں نکال کر انکے بجائے کسی حیوان کے جسم کے مادی جسامت کے تازہ اعصاب لگا دیئے جائیں، اس طریقہ سے مریض یا مجروح اعصاب کا انسان بالکل چھا ہو جائیگا۔

کرہ ارض کی عمر کے بابت علماء سائنس میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے، امریکہ کے ایک مستند ماہر ارضیات (جیالوجسٹ) کے تازہ تخمینہ کے مطابق کرہ ارض پر اب تک تین دور گزر چکے ہیں اور اس وقت چوتھا دور ہے ان اودار رابعہ کی حسب ذیل مدت اسکے تخمینہ میں گزر چکی ہے،

دور اول	۳ کروڑ ۶۰ لاکھ سال
دور ثانی	۲ کروڑ ۴۰ لاکھ "
دور ثالث	۹۰ لاکھ "
دور رابع (موجودہ)	۳۰ لاکھ "

انگریزی کا ایک ادبی رسالہ لکھتا ہے کہ مختلف ممالک میں موسومہ ذیل اخبارات

اول بار فلان فلان زمانہ میں شائع ہوئے ہیں،

ملک	اخبار	زمانہ	کیفیت
انگلستان	انگلش مرکری	۱۸۳۳ء	اسپین نے اس زمانہ میں انگلستان پر بڑا زبردست بحری حملہ کیا تھا جس سے ملک میں سخت سراسیمگی پھیل گئی تھی، اس اخبار کا مقصد اجراء بے بنیاد افواہوں کی تردید تھی،

اسکاٹ لینڈ مرکبوس پائیکس ۱۸۵۳ء اول الذکر کا گویا منشی ہوتا تھا۔
انگلستان

(برقی اخبار کے لئے) نارڈن پوسٹ ۱۸۶۶ء
اٹلی گزٹ ۱۸۶۰ء

ملک	اخبار	زمانہ	کیفیت
امریکہ	بوسٹن نیوز لیٹر	۱۸۰۳ء	
بہمی	بہمی ہیرلڈ	۱۸۸۹ء	
بنگال	بنگال گزٹ	۱۸۸۰ء	
"	سماچار درپن (بنگالی)	۱۸۱۹ء	(زیر سرپرستی لارڈ ڈیہینگز گورنر جنرل)
بہمی	بہمی سماچار (گجراتی)	۱۸۲۲ء	
	باغ دہبار (اردو)	۱۸۲۸ء	

فرانس کی ایک مشہور سوسائٹی کا جو اس وقت تک انجیل کا ترجمہ ۱۷ زبانوں میں شائع کرا چکی ہے بیان ہے کہ دنیا میں منتقل زبانوں کی تعداد چھ سو ہے،

ایک فرینچ محقق موسیو پیرو نے پیرس کی اکاڈمی آف سائنس کے سامنے حال میں عمر آفتاب سے متعلق اپنا تخمینہ یہ پیش کیا ہے کہ آفتاب کی پیدائش کو زیادہ سے زیادہ ۶۰ لاکھ سال کا زمانہ ہوا ہے،

موجودہ ہمارا جہ برودہ کی علم دوستی در دشمن خیالی کا ایک منظر یہ بھی ہے کہ اسکے حدود ریاست کے اندر کتب خانوں کا ایک جال پھیل گیا ہے، پایہ تخت کے مرکزی کتب خانہ میں ۱۰۰۰۰۰ کتابیں ہیں جن میں سے ۶۲۲۲۱ مطبوعہ اور ۶۸۵۶ سنسکرت کے قلمی مسودات ہیں، کتب خانہ میں ۲۲۲ اخبارات در سائل آتے ہیں اور حاضرین کا روزانہ اوسط ۴۰۰ کارہنما ہے، شعبہ نسوان میں

۱۸ کتابیں ہیں، اور دارالمطالعہ ۱۸ پرچہ خرید کرتا ہے، آنے والوں کی تعداد سال گذشتہ میں ۱۸۳۳ رہی، شعبہ اطفال میں حاضری کی تعداد پچھلے سال ۱۲۰۰۰ رہی، اضلاع اور قصبوں اور قریوں کے کتب خانوں کا شمار ۳۴ ہے، اور ان میں کتابوں کی مجموعی میزان اب ۲۳۸۴۲ تک پہنچ چکی ہے جن میں سے پچھلے سال ۲۱۶۰۶۹ کتابیں لوگوں کے مطالعہ میں آتی رہیں، سفری کتب خانوں میں سے ۱۰۲۷۵ کتابیں دیہات میں پڑھی گئیں،

رائل کالج آف سرجنز کے سامنے پروفیسر کیتھ نے بیان کیا کہ وق دسل کے امراض جس طرح آج پائے جاتے ہیں، اسی طرح ولادت مسیح سے پانچ ہزار سال قبل مصر میں بھی انکا وجود تھا اور اسکا ثبوت انھوں نے ان قدیم لغتوں سے دیا جو انکے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں، علیٰ ہذا آج سے پانچ ہزار سال قبل کی تحریروں میں اور وہ وشرائین کی جو تشریح مندرج پائی جاتی ہے، اسکو بھی انھوں نے شرح و بسط سے بیان کیا، انھوں نے وہ ہے کی وہ کہا چین بھی دکھلائی جن سے تقریباً سترہ قبل مسیح میں لڑے ہوئے اعضا کی بندش کیجاتی تھی، پروفیسر موصوف کی تحقیقات اگر صحیح ہے تو جدید فن طب، تشریح و جراحی اس سے آگے نہیں بڑھا ہے، جہاں وہ آج سے پانچ سات ہزار سال پیشتر تھا،

ماہ گذشتہ میں انگلستان کے ایک مشہور مستشرق سر چارلس لایل کی وفات ہوئی موصوف مدت تک ہندوستان میں ممتاز ملکی مناصب پر مامور رہے تھے، ۱۸۹۸ء میں چیف کمشنر صوبہ بنوٹ کے مرتبہ سے چھٹن پائی، اور اسکے بعد بارہ برس تک انڈیا آفس میں کام کرتے رہے، مسلمانوں کے علوم و اسناد خصوصاً فارسی، عربی اور اردو کے وہ ایک مستند عالم خیال کئے جاتے تھے اور

شعرا عرب کے متعدد وادین انکے تحشیہ و مقدمہ کے ساتھ شائع ہوئے، وہ برٹش اکاڈمی کے فیلو تھے، اور ایڈیٹر اکسفورڈ، اسٹراسبرگ، مختلف یونیورسٹیوں سے ال، ال، ڈی، بی، ایچ ڈی، ڈی، لٹ، وغیرہ کی اعزازی ڈگریاں رکھتے تھے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے آخری ایڈیشن میں ہندوستانی (اردو) لٹریچر پر مضمون انہی کے قلم سے تھا، انکی عمر ۷۷ سال کی تھی،

لننگ (جرمنی) کے عجائب خانہ کتب و کتبات نے حال میں اخبار نویسی و فن صحافت کے ارتقاء سے متعلق ایک نمائش گاہ قائم کی تھی، اخبارات ابتداء طبع نہیں ہوتے تھے، بلکہ کتابت جو کہ دست بدست تقسیم ہوتے تھے، اسوقت سے لیکر اس زمانہ تک جب اخبارات ہفتہ وار طبع ہونے لگے، اور پھر اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں میں جو تغیرات ہوئے، ان سب عہد بعد ترقیوں کا منظر اس نمائش میں پیش ہوا، سولہویں صدی کے اخبارات جن میں تازہ اکتشافات کا بیان ہے یا اپنی اصلی حالت میں، یا انکے عکس، اس نمائش کے لئے فراہم کئے گئے تھے، نمائش کی سب سے زیادہ قابل ذکر شے کو لمبس کا وہ خط تھا جو اس نے ۱۸۹۳ء میں لکھا تھا اور جس میں امریکہ کے دریافت ہونے کی خبر دی تھی،

ماہ ستمبر میں نارنوک (انگلستان) میں عمر خیام، اور اسکے انگریزی شارح فطرس جبرالدک برسی دہوم و ہام سے منائی گئی، رباعیات خیام مترجمہ فطرس جبرالدک کو ڈراما کی شکل میں تبدیل کر لیا گیا تھا، اور مقامی شاہ میر نے رباعیات کے مختلف اشخاص افسانہ کے پارٹ (سٹیج) پر ادا کئے، ڈاکٹر کرکبائی فیلو، نیوکالج اکسفورڈ، خود خیام بنے، اور نارنوک کے پادری چارلس کینیٹ پرفیسر دیپ سنگھ وغیرہ نے دوسرے پارٹ ادا کئے،

امریکہ نے جب گزشتہ جنگ میں شرکت کا اعلان کیا تو جرمنی کے ارباب جل وعقد اسکی شرکت کے قابل مضحکہ سمجھے اور انھوں نے علانیہ اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ امریکہ کی نا آشنا سے فن حرب قوم کا چند ماہ کے عرصہ میں جنگ عظیم کے شرکت کے قابل ہو جانا ناممکن ہے، لیکن امریکی فوج کے عملی کارناموں نے ثابت کر دیا کہ وہ حربی حیثیت سے کسی دوسری فوج سے پست تر نہیں، اس عجائز کا حل امریکی اخبارات نے حال میں شائع کیا ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جونہی امریکہ نے شرکت جنگ کا اعلان کیا، سپاہیوں کی بہرتی اور اسکی تعلیم و تنظیم کا سارا کام امریکہ کے شاہرہ علماء نفسیات کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا گیا، میجر برکس اس جدید محکمہ کے افسر اعلیٰ تھے، اور امیدواروں میں سے پہمگری کے لئے موزوں و مناسب اشخاص کے انتخاب کا کام میٹری سائیکالوجی (نفسیات حربیہ) کے دارالعلوم کے اساتذہ کے سپرد تھا، پہلے عام امیدواروں کے انوہ میں سے نااہل و ناموزوں افراد چھانٹ چھانٹ کر الگ کر دیئے جاتے تھے، پھر جتنے افراد لے لئے جاتے تھے، ان میں سے کرنل اسکاٹ ان افراد کو مختلف شعبوں میں الگ الگ تقسیم کرتے تھے، جو کسی خاص شعبہ کے لئے مخصوص اہلیت و صلاحیت رکھتے تھے، اور انتخاب و تقسیم کا یہ سارا کام مختلف نفسیاتی تجربات و اختیارات کے ماتحت انجام پاتا تھا، اس طرح جتنے افراد منتخب ہوئے وہ اپنے اپنے کام کے لئے بہترین صلاحیت و اہلیت رکھتے تھے، امریکی نفسیات حربیہ کے اس حیرت انگیز کارنامہ نے فن نفسیات کی عظمت و وقعت کا ایک اور نقش یورپ و امریکہ کے قلوب پر ثبتا دیا ہے،

ایک سائنٹفک رسالہ لکھتا ہے کہ ابتداء سنہ مسیحی سے لیکر اب تک دنیا کے مختلف اقطار میں کوہاے آتشیں کی آتش فشانیوں اور زلزلوں کے حسب ذیل نہایت اہم

واقعات وقوع بین آپکے بین :-

۱۶۷۹ء، شہر پامپئی (روم) کوہ ولیوولیس کی آتش فشانی سے برباد ہو گیا،

۱۱۶۹ء، کوہ اٹنا کی آتش فشانی سے کینیا (اٹلی) برباد ہو گیا، اور پندرہ ہزار نفوس ہلاک ہوئے،

۱۶۹۲ء، زلزلہ سے بندرگاہ پورٹ رابل (جائیکا) ۲۴۰ فٹ نیچے ڈھنس گیا، اور تین ہزار آدمی ہلاک ہوئے،

۱۶۹۳ء، زلزلہ نے کینیا (اٹلی) کو ۱۸ ہزار نفوس کے ساتھ غرق کر دیا، کل تعداد اموات ایک لاکھ تک پہنچی،

۱۸۸۳ء، کوہ کراکوٹا (جاوا) کی آتش فشانی سے ۳۰ ہزار افراد کی جانیں ضائع ہوئیں،

۱۹۰۲ء، کوہ پیلی کی آتش فشانی نے سارے شہر سینٹ میمری (مارینک) کو آنا فانا بنا دیا، دس منٹ کے اندر ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا،

۱۹۰۵ء، زلزلہ سے دہر سالہ (پنجاب) میں جبکا اثر لاہور تک پہنچا تھا، دس ہزار جانیں ضائع ہوئیں،

۱۹۰۸ء، سینا (اٹلی) میں قیامت خیز زلزلہ آیا، جس نے ایک لاکھ انسانی زندگیاں کچل ڈالی،

کچھ روز ہوئے ٹو کوپلا (مملکت چلی جنوبی امریکہ) میں ایک قدیم لعش عجیب و غریب ہیئت کے ساتھ برآمد ہوئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کان کن تھا، اور تانبے کی ایک کان کے اندر مٹا ہوا کچے تانبے کو صاف کر رہا تھا، اپنی حالت میں کان بیٹھ گئی، اور یہ

شخص اسی حالت میں دیکر مر گیا، کام کرتے وقت یہ شخص جس وضع و ہیئت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوگا
ہیک اسی حالت کے ساتھ اسکی نقش برآمد ہوئی ہے، علماء فن کی متفقہ رائے ہے کہ یہ نقش
چھ صدیوں سے قبل کی ہے، البتہ اس باب میں یہ لوگ مختلف آراء ہیں کہ متوفی کس قوم و
نسل کا شخص تھا،

پونہ میں ہندو کرلیسرچ انسٹیٹیوٹ، مشرقی علوم و السنہ کی جو گراں بہا خدمات انجام
دے رہا ہے ان کا ذکر معارف میں اس سے پیشتر آچکا ہے، اسی نوعیت کی ایک دوسری چیز
بمبئی میں بھی ہے، جسکا نام گاما اور ٹیل انسٹیٹیوٹ ہے اور جو ایک فارسی فاضل شمس العلماء
کے، آرا کا مکی یادگار میں گیارہ سال سے قائم ہے، گزشتہ اگست میں اسکا گیارہواں سالانہ
اجلاس ڈاکٹر جمشید جی مودی کی زیر صدارت منعقد ہوا، سکریٹری کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ
پچھلے سال گورنمنٹ سے تیس ہزار کا عطیہ اس غرض سے موصول ہوا کہ تحقیقات عالیہ کے لئے
رفقا پر یہ رقم صرف کی جائے، مسٹر بومن جی نوشیروان جی ایم، اسے جو اس غرض سے رفیق منتخب
ہوئے تھے کہ تمام مطبوعات و مسودات موجودہ انسٹیٹیوٹ مذکور کی ایک مفصل و شرح فہرست
تیار کریں، اپنے کام سے فارغ ہو چکے، سال آئندہ کے لئے ایک جدید رفیق (فیلو) کا تقرر اس
غرض سے ہوا ہے کہ وہ پہلوی کتبات اور سکجات پر لکچر دیں، ایک اور رفیق (فیلو) اس کام پر
متعین کئے گئے ہیں، کہ وہ سورت و بہر دج میں گشت لگا کر پارسیوں کی تاریخ سے متعلق ہر قسم کا
سرمایہ معلومات فراہم کریں، ایک فیاض معلمی کی جانب سے اسکا اعلان کیا گیا کہ انھوں نے ایک
سال کے لئے تین سو ماہوار کا عطیہ تاریخی تحقیقات کے اغراض کے لئے منظور کیا ہے۔

پونہ کی گزشتہ مشرقی کالفرنس کے موقع پر گاما انسٹیٹیوٹ نے اپنے ہاں کے پانچ نامور
مسودات علی نمائش کے لئے بھیجے تھے جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:-

(۱) قانون سعودی

(۲) محیط معرفت

(۳) ہماہارت، (پانچ ابواب)

ڈاکٹر کا ماکو سب سے زیادہ شغف ایرانی علوم و فنون سے تھا، انکے انسٹیٹیوٹ کے کارکنوں کو
سب سے زیادہ دلچسپی اسی سے ہے، امید ہے کہ انکی کوششوں سے کچھ عرصہ میں ایرانی تاریخ
ایرانی علوم، و ایرانی السنہ کے متعلق ایک عظیم الشان ذخیرہ معلومات فراہم ہو جائیگا۔

الحمد لله

غزل

حضرت جگر مراد آبادی

جو رکھیں دجھائے باغبان دیکھا کئے
شام وقت دل کی آہوں کا دھوان دیکھا کئے
آج کن آنکھوں سے یہ جو رُخِ زان دیکھا کئے
جب چین سے لیچا صیاد کر کے ہمو قید
اب نفس میں ہوش آیا تو یہ حیرت ہی نہیں
جی بہر آنا تو انی میں جو راہ شوق میں
تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلق روح کو
کیسی سیر لالہ و گل باغ میں جت تک ہے

(۲)

مرزا احسان احمد بی بی ال ال بی وکیل

جب یوں پھری ہوئی نگہ باغبان رہے
کچھ ایسے محو لذت درد نہ مان رہے
صیاد تجھے خوش رہے یا سرگران رہے
اتنا کرم تو مجھ پر مرسے باغبان رہے
کچھ آج ایسی شان سے آہ و فغان رہے

یوں ہونٹا رہا محبت کو لطف ہے
درد آزارہ نفس ہے کہلا دیر سے مگر
قید نفس میں جی جو بہر آیا تو دیر تک
پامالی چین ہو نگا ہوں کے سامنے
صیاد کی نگاہ میں ہے کس قدر عزیز
آنے لگے ہیں خواب اسیری میں نظر
ذوقِ ستم سے ہونہ سکا بے نیاز میں
لٹا رہا نفس کے قریب اپنا آشیان
اے چشم شوق آج ہو یوں عرض دعا

(۳)

ہادی مچلی شہری

ذوقِ کرم کو یوں بھی نہ رسوا کرے کوئی
ہے کشمکش میں جذب نظر سے نقاب حسن
مانا کہ اضطراب ہے شرمندہ سکون
کہتا ہے حسن سارے علائق سے چو ٹکر
اللہ رے لطف یار کی بے التفاتیان
ہو جائے کاش فہیلہ یاس و آرزو
لے دیکے اک تمہیں تو ہو سراپا یہیات
کچھ کشنل چاہیے دل محروں کے واسطے

کتبت کسی سے عرض تمنا کرے کوئی
اتنا نہ چشم شوق سے پردا کرے کوئی
قابو چلے نہ دل پہ تو پھر کیا کرے کوئی
تکو ٹہا کے سامنے دیکھا کرے کوئی
کتبت نگاہ یاس سے دیکھا کرے کوئی
کتبت تری نگاہوں کو دیکھا کرے کوئی
پوچھو نہ تم بھی بات تو پھر کیا کرے کوئی
ہادی نہ مضطرب ہو مگر کیا کرے کوئی

مولوی ابوالحسنات تیرندی

یاس کا گہر جو مرا یہ دل بخور ہے آج
آرزو دل کی بھی اب دل سے کہیں دور ہے آج
نگلی اپنی خودی پر دہ دیدار جمال
سامنے رہ کے نگاہوں سے مستور ہے آج
حسن کچھ غیر نہیں دید سے محرومی کیوں؟
خود مرا تارنگہ جلوہ گہ طور ہے آج
عشق کی خیر ہو یا رب کہ ملی لذت نیست
تن میں ہر قطرہ خون صورتِ ناسور ہے آج
دہر آئینہ ہے اس جلوہ بیکتا کے لئے
حسن آپ اپنی ہی دیدار سے سرور ہے آج
ہاں کیسی نگہ ناز نے پھر چھیر دیا
زخم دل دیکھ رہا ہوں کہ بدستور ہے آج
ذرہ ذرہ سے انا الحق کی صدا اٹھتی ہے
دل جو شور افکن آوازہ منصور ہے آج

جلوہ دادی امین کی حقیقت معلوم
دل کا جو داغ ہے وہ شمع سب طور ہے آج

مطبوعات جدید

رباعیات ابوسعید ابوالخیر، حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر پہلے شخص ہیں جنھوں نے فارسی
شاعری میں صوفیانہ خیالات ادا کئے، یہ انہی کی رباعیات ہیں، جنکو پروفیسر کے ایم مٹر ایم اے
لاہور اور مولوی عبدالعزیز منہاس بی، اے، وکیل (گوجرانوالہ) نے مرتب کر کے شائع کیا ہے، یہ
رباعیات چونکہ بالکل ابتدائی زمانہ کی ہیں اسلئے ان میں تصوف کے حقائق اور مسائل موجود نہیں،
البتہ عشق و محبت کے جذبات ہیں جنہیں تصوف کا رنگ چمک رہا ہے، آج فارسی شاعری میں
تصوف کا جو وسیع سرمایہ موجود ہے، اسکی بنیاد انہی رباعیوں پر ہے، اس بنا پر ان کے مرتب
کرنے والوں نے درحقیقت فارسی زبان کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے جسکے لئے وہ
مبارکباد کے مستحق ہیں، اس رسالہ میں ۲۸ رباعیات ہیں اور اسکی قیمت ایک روپیہ ہے، پتہ:
شیخ مبارک علی تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور،

مقام حدیث، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے مذہبی رسائل کا ایک نہایت مفید
سلسلہ شروع کیا ہے جنہیں سے بعض پر معارف بین ریویو بھی ہو چکا ہے، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی
ایک کڑی ہے، اسکے مصنف مولوی محمد علی صاحب ایم اے امیر جماعت احمدیہ بین حسین انھوں نے
حدیث کی صداقت، ضرورت، جمع و ترتیب، اور جرح و تعدیل وغیرہ پر بحث کی ہے اور نہایت
عالمانہ پیرایہ میں کی ہے، لیکن بعض جگہ فرد گزشتین بھی ہو گئی ہیں، مثلاً انھوں نے ایک مقام پر لکھا ہے
کہ حدیث کا درس باقاعدہ طور پر تابعین کے زمانہ میں شروع ہوا، حالانکہ اسکا سلسلہ خود حضرت عمر
کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا، اور مختلف مقامات میں متعدد صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے بہر حال

چونکہ مولف کا مقصد محض حدیث کا درجہ اور مرتبہ ثابت کرنا ہے، اسلئے بلاشبہ وہ انہیں کامیاب ہوئے ہیں، اور ہم اس مفید علمی خدمت پر انکو مبارکباد دیتے ہیں، رسالہ کی قیمت ہے اور مذکورہ بالا پتہ سے مل سکتا ہے،

انجمن ترقی تعلیم کے دظائف، یہ انجمن ترقی تعلیم مسلمانان ہند امرتسر کی سالانہ روداد ہے، جسین ان طلبہ کی فہرست دی گئی ہے جو اسکے دظائف سے تعلیم پا رہے ہیں اور جنکی موجودہ تعداد ۱۸۰ ہے انجمن نے اپنی مختصر سی عمر میں نہایت خاموشی، سکون، اور استقلال کے ساتھ مسلمانوں کی جو خدمت کی ہے اسکی نظیر سے تمام اسلامی مدارس اور انجمنین خالی ہیں، اور یہ بلاشبہ مولوی محمد عمر صاحب حوم سکریٹری اور ارکان انجمن کے جوش، خلوص، دیانت اور ایمان داری کا نتیجہ ہے، جس نے اس انجمن کو قابل تقلید بنا دیا ہے، انجمن مذکور کے موجودہ سکریٹری جناب خواجہ مظہر حسین صاحب بی اے دکیل نے اس روداد میں قلت سرمایہ کی شکایت کی ہے، اور انجمن کے مقاصد کے لحاظ سے پانچ لاکھ روپیہ کی اپیل شائع کی ہے،

انجمن حمایت اسلام کا ماہوار رسالہ: شعبان، رمضان اور شوال کے یہ پرچے ہیں جنہیں انجمن کے موجودہ تنزیرات اور انتظامات کے علاوہ مختلف مذہبی اور تعلیمی مضامین درج کئے گئے ہیں جنہیں سے ایک تاتاری مسلمان اور تعلیم عربی ہے جو جناب مولانا عبدالسلام ندوی کے قلم کا نتیجہ ہے، ایک پرچہ میں سیر سلیمان کے عنوان سے جناب مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خط نقل کیا ہے، جو انھوں نے مولوی مسعود علی صاحب ندوی کے نام لکھا تھا اور جس میں دینس وغیرہ کے حالات ہیں۔

مضامین

شذرات،

۳۳۲۱ - ۳۳۲۰

نظام اخلاق،

۳۳۳۱ - ۳۳۳۰

مولانا عبدالسلام ندوی

خوش قسمت حافظ اور بد نصیب ختام،

۳۳۴۱ - ۳۳۴۰

سیر فلک،

مولوی یوسف الزمان صاحب کسبونی

۳۳۵۱ - ۳۳۵۰

اسلام بطور عالمگیر مذہب کے،

اخبار علمیہ،

۳۳۶۱ - ۳۳۶۰

نامہ غالب،

۳۳۷۱ - ۳۳۷۰

ادبیات،

۳۳۸۱ - ۳۳۸۰

اکبر

تقریظ و انتقاد،

۳۳۹۱ - ۳۳۹۰

مطبوعات جدیدہ،

۳۴۰۱ - ۳۴۰۰

مطبوعات جدیدہ

سیرۃ عائشہؓ، از مولانا سید سلیمان ندوی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے احوال زندگی کی تفصیل، قرن اول کی خانہ جنگیوں کے اصلی اسباب کی تشریح، ام المؤمنین کے فضائل اخلاق کا بیان اور انکے علمی اجتہادات و کمالات پر تبصرہ، چھپکر تیار ہے، ضخامت ۳۵ صفحات، قیمت درجہ اول (کاغذ طبع اعلیٰ) ۱۰ روپے، درجہ دوم ۵ روپے، درجہ سوم (کاغذ دیسی سفید) ۸ روپے، درجہ چہارم ۱۰ روپے۔